فائزہ افتخار

سرد چھاؤں

مکمل ناول

"یار! زندگی ایک اسٹیج کیوں ہے، فلم اسکرین کیوں نہیں؟"

ریموٹ کنٹرول سے اچھی طرح "کشتی" لڑنے کے بعد احد نے اسے پرے پھینکتے ہوئے زائر کو تقریباً جھنجوڑتے ہوئے یہ عجیب سا سوال کیا۔

"اس لیے کہ اس صورت میں بھی تمہارے جیسا کوئی مہا فارغ انسان یہ بے تکا سوال لے بیٹھتا کہ زندگی فلم کیوں ہے؟ اسٹیج کیوں نہیں۔" اس نے اچانک ہونے والے اس حملے سے سنبھلتے ہوئے اپنا چشمہ ٹھیک کیا۔

"میں نے کوئی بے تکی بات نہیں کی۔ سوچو اگر زندگی فلم ہوتی، اور وہ بھی ہالی وڈ کی، کس قدر رنگارنگ ہوتی۔ پلک جھپکتے میں سب کچھ ہو جایا کرتا۔ اگر زندگی ہالی وڈ کی فلم ہوتی تو میٹرکس، لارڈ آف دی رنگز، بروس آل مائٹی، ہولو مین اور بیک ٹو دی فیوچر کی طرح انسان کسی بھی قسم کا کارنامہ انجام دے سکتا تھا، سپرمین کی طرح اڑ سکتا تھا، اسپائڈر مین کی طرح لمبی لمبی چھلانگیں مارتا شہر کے دوسرے کونے میں رہنے والی اپنی گرل فرینڈ سے ملنے جا سکتا تھا۔ بروس کی طرح پلک جھپکنے میں اپنی ساری خواہشات پوری کر سکتا تھا۔ بیک ٹو دی فیوچر کے مائیکل جے فوکس کی طرح ماضی میں جا کر سارے پرانے بدلے چکا سکتا تھا اور ٹرائے اور کیمرون، پینیلوپ اور جولیا جیسی قاتل اداؤں حسیناؤں کے ساتھ عیش کر سکتا تھا۔"

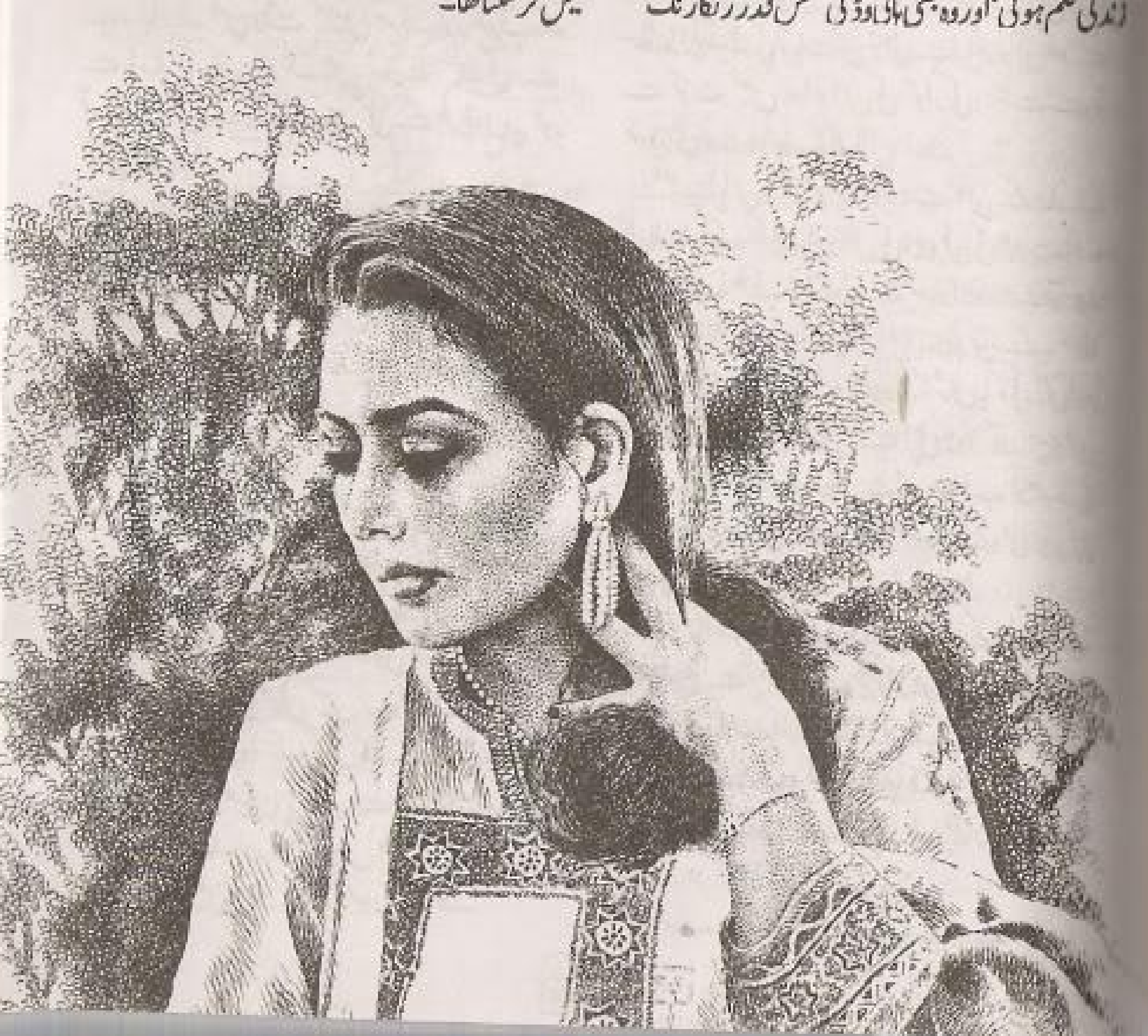

ان کی بات پہ زائر نے تو تابعداری سے سر ہلا دیا جبکہ احد نظریں گھما کر "اتنے بڑے فلیٹ" کا حدود اربعہ ناپنے لگا جو فقط ایک کمرے، عقب پہ ایک بالکونی نما ٹیرس اور سامنے ایک مختصر بر آمدے اور واش روم پہ مشتمل تھا۔ ٹیرس پہ پلاسٹک کی ایک چیئر، مختصر سی ٹیبل، دو گملے، کونے میں لگے نلکے کے پاس پڑے ایک ٹب کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی ٹب میں ہر چھٹی والے دن زائر کپڑے دھوتا تھا۔ بر آمدے کے ایک کونے میں باتھ روم تھا، جہاں بمشکل کھڑے ہونے کی جگہ تھی۔ دوسرے کونے میں چولہا فکس تھا۔ ساتھ ہی دیوار پہ لکڑی کے عارضی تختے لگا کر زائر نے ضرورت کے چند برتن رکھنے کی جگہ بنالی تھی۔ چولہے پہ عموماً "چائے، آملیٹ یا دال چاول ابالنے کی زحمت کی جاتی۔ زیادہ تر کھانا یا تو باہر سے آتا یا احد کے گھر سے جو اس مارکیٹ سے ذرا پرے والی ہاؤسنگ سوسائٹی میں رہتا تھا۔

بر آمدے کے عین درمیان میں پلاسٹک کی دو کرسیاں اور ایک لکڑی کی بے ڈھب سی میز تھی۔ اس پہ رنگین پلاسٹک کی شیٹ بچھا کر اس کی بدوضع سطح چھپائی گئی تھی۔ "اتنے بڑے کمرے" میں دائیں طرف ایک سنگل میٹرس، بائیں طرف رائٹنگ ٹیبل، اس کے ساتھ کین کا ایک شیلف، کونے میں ٹی وی رکھا تھا اور اس کمرے میں پاء جی ایک اور مکین کا اضافہ کرنے والے تھے۔

احد نے سرد آہ بھر کر اس کمرے کی متوقع حالت زار پہ افسوس کیا اور وہاں سے نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

"ایک تو یہ اچھی مصیبت ہے۔ تم پہلے ہی ایک کے بجائے تین بندوں کا کھانا کھاتے تھے، اب جب سے وہ تمہارا پینڈو دوست ہاسٹل چھوڑ کر فلیٹ میں رہنے لگا ہے، تم بلاناغہ پلیٹیں بھر بھر کر وہاں لے جانے لگے ہو اور آج تو ایک کے بجائے تین افراد کا کھانا چاہیے۔ آنے دو اپنے ابو کو، میں ان سے بات کرتی ہوں۔" احد کی امی اس کے نئے مطالبے پہ بھڑک اٹھیں۔

"ہاں، میری شکایتیں دل کھول کے کیا کریں۔ بھائی جان کی ساری باتیں پی جاتی ہیں۔ وہ کیا کچھ کرتے ہیں اور وہ ان کی چہیتی نئی نویلی دلہن، اس نے جو تازہ ترین کارنامے کیے ہیں، وہ تو آپ نے ابو کو نہیں بتائے ہوں گے۔"

"ان کو بتا کر کیا گھر میں دنگل کرانا ہے۔ تمہارے ابو تو انتہائی گرم مزاج ہیں۔ کسی نہ کسی سے لڑنے کا بہانہ چاہیے انہیں اور احسن تو شادی کے بعد سے رسیاں تڑوانے کے چکر میں ہے۔ اس کی بیوی مجھ سے تو منہ ماری کرتی ہی رہتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ سسر کے سامنے جو اس میں برائے نام حیا اور لحاظ رہتا ہے، وہ بھی ختم ہو جائے۔ خبردار! جو تم نے منہ سے ذرا بھی بھاپ نکالی تو۔۔۔ نجانے کس پہ گیا ہے یہ بی جمالو۔ ساری عورتوں والی عادتیں۔۔۔ لگائی بجھائی۔۔۔ اگر تم نے اپنے ابو کو برسوں ہونے والے جھگڑے کے بارے میں کچھ بھی بتایا تو تمہاری خیر نہیں۔ میں اکیلی کافی ہوں ان دونوں میاں بیوی سے نمٹنے کے لیے۔۔۔ اور تمہارے ابو، انہیں تو ہر مسئلے سے نمٹنے کا ایک ہی حل آتا ہے کہ مسئلہ ہی ختم کر ڈالو۔"

"تو کر لینے دیں نا انہیں مسئلہ ختم۔ آپ کو ہی شوق ہے مسئلے پالنے کا۔ میں تو کہتا ہوں ایک بار ابو کو آ لینے دیں میدان میں۔ بھابھی کا سارا دم خم اور بھائی جان کی ساری اکڑفوں دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

"کسی کو کم نہ سمجھو میاں، تمہارا بھائی بھی ان ہی کا بیٹا ہے۔ اسے تو بہانا چاہیے یہاں سے نکلنے کا، سارا خاندان تمہارے ابو کے غصیلے مزاج اور بدزبانی سے واقف ہے۔ سب ہی انہیں الزام دیں گے کہ ضرور احمد یار علی نے بہو کے ساتھ سخت رویہ رکھا ہو گا، اسی لیے وہ بے چارے الگ ہونے پہ مجبور ہوئے۔ ابھی میں اس بات کی متحمل نہیں ہوں۔ تمہارے ابو کی پنشن کے اٹھائیس سو آتے ہیں۔ ان اٹھائیس سو سے میں گھر کے سب بلوں کی ادائیگی اور کچن کے اخراجات نکالتی ہوں۔ سچ پوچھو تو گھر کے تمام اخراجات اور سودا سلف کا تقریباً "بوجھ احسن پہ ہی ہے۔ احسن کے ان چھ ہزار کا بھی آسرا نہ رہا تو چٹنی سے روٹی کھائیں گے، اس لیے جتنی دیر تک ہو سکتا ہے اس سے اور اس کی بیوی سے بنا کر رکھنا پڑے گا۔ کم از کم جب تک تمہیں نوکری نہیں مل جاتی جس کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے۔ یاروں سے فرصت ملے تو اس جانب دھیان دو۔"

وہ ہانڈی میں ڈوئی گھماتے ہوئے زور زور سے بول کر دل کی بھڑاس نکالتی رہیں۔

"بات گھوم پھر کر میری بے روزگاری تک آجاتی ہے۔ اوروں سے کیا گلہ، جب اپنی ماں بھی طعنے دینے میں کسی سے کم نہ رہے تو۔۔۔ آخر کبھی نہ کبھی مجھے بھی جاب ملے گی، آپ اس قدر مایوس کیوں ہوتی ہیں۔ بھائی جان کے فقط چھ ہزار کے لیے آپ ان کا سب برا بھلا برداشت کیے جا رہی ہیں۔ مان گئے بھئی روپے کی طاقت کو۔"

اس نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے جذباتی ڈائیلاگ جھاڑے جن کا امی پہ کوئی اثر نہ ہوا۔

"ہاں ہوتی ہے روپے میں طاقت۔ تم بھی کما لو اور ماں کو برا بھلا کہہ لو۔ تمہارا بھی سلوک برداشت کر لوں گی۔ بدلے میں چند ہزار جو۔۔۔"

کہتے کہتے ان کا گلا رندھ گیا اور وہ چولہا، ہانڈی، سب چھوڑ کر وہیں بیٹھ کر دوپٹہ آنکھوں پہ رکھ کے رونے لگیں۔ احد فوراً "اٹھا۔

"اوہو امی! میں تو مذاق کر رہا تھا۔" ان کے شانے کے گرد بازو پھیلا کر تسلی دیتے ہوئے اس نے ہانڈی کا بھی جائزہ چور نظروں سے لیا۔ مٹر گوشت پک رہا تھا، ساتھ رکھی کڑاہی میں ماش کی پھریری دال آخری مراحل میں تھی۔

"اچھا بھلا کھانا تو ہے۔ امی بھی ناں بس۔۔۔" وہ "مقدار و معیار" سے مطمئن ہونے کے بعد مزید ان کی چاپلوسی کرنے لگا۔

"کیوں رنجیدہ ہوتی ہیں۔ میں ہوں نا، آپ کا سب سے اچھا اور پیار کرنے والا بیٹا۔ آپ بس میرے لیے دعائیں کیا کریں، مجھے جاب مل جائے۔ آپ کی ساری عمر کی ریاضت کا پھل دوں گا۔ دو دو ملازمائیں رکھ کے دوں گا۔ گاڑی بمع ڈرائیور۔ سونے کی لمبی لمبی چینیں۔ موٹے موٹے کڑے، بالکل سیٹھانی لگیں گی آپ۔"

"چل ہٹ، شیخ چلی۔۔۔" بھیگی آنکھوں کے گوشے ممتا سے بھرپور مسکراہٹ سے جگمگا اٹھے۔ وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اب باتیں نہ بنا۔ جا، مجھے ابھی آٹا گوندھنا ہے، روٹی بنانی ہے۔ تمہارے ابو آنے والے ہوں گے۔ نوابزادی کو بھی کھانا سجا کر کمرے میں بھجوانا ہے۔ صبح سے سر درد کا بہانہ کر کے اندر لیٹی ہے۔ بخار جانچنے کے لیے تھرمامیٹر ہے۔ بلڈ پریشر بھی چیک کر کے تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اب سر درد اصلی ہے یا جعلی، یہ

"خواتین ڈائجسٹ" کی طرف سے بہنوں کیلئے خوبصورت تحفہ

فیبرک پینٹنگ اور ایمبرائیڈری

شائع ہو گئی ہے

خوبصورت سرورق، دیدہ زیب رنگین صفحات، دلکش طباعت،
قیمت صرف/300 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے/330 روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں،
ہمارے اسٹاکسٹ:

- کراچی میں: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار، کراچی
- محمد حسین نیوز ایجنسی فریئر مارکیٹ، برنس روڈ کراچی
- لاہور میں: لاہور اکیڈمی چوک اردو بازار لاہور
- سلطان نیوز ایجنسی، احتساب مارکیٹ لاہور
- عظیم ایجنسیز، الکریم مارکیٹ لاہور
- اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور
- راولپنڈی میں: اشرف بک ایجنسی، کیٹی چوک، راولپنڈی
- حیدرآباد میں: مہران نیوز ایجنسی، اسٹیشن روڈ، حیدرآباد
- فیصل آباد میں: شیخ بک اسٹال، بھوانہ بازار، فیصل آباد

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی

فہمی کو گاہے گاہے دھچکے تب لگنے شروع ہوئے جب احد نے ہفتے میں دو بار نہ صرف راتیں یہاں پہ گزارنی شروع کیں بلکہ وہ سارا سارا دن بھی اکثر یہیں ہوتا۔

کیمسٹری میں ایم ایس سی کرنے کے بعد سے وہ فارغ تھا۔ سوائے کبھی کبھار کسی جاب کے سلسلے میں انٹرویو دینے کے اور کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ زائر نے اب مائیکرو بیالوجی میں ایم ایس سی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے خاندان میں پہلا تھا جو میٹرک یا انٹر سے آگے بڑھا تھا۔ زمیندار گھرانہ تھا' کھاتے پیتے صاحب حیثیت لوگ تھے۔ اگر وہ اس کے بعد اگلے پانچ سال مزید بھی پڑھتا رہتا تو انہیں فکر نہیں تھی۔ زمین جائیداد اس کے ابا اور بڑے پاء جی نے سنبھال رکھی تھی۔ وہ اسی میں خوش تھے کہ "کاکا" پڑھ رہا ہے' ڈگریاں لے رہا ہے۔ ہر ماہ اس کے تعلیمی اخراجات اور فلیٹ کے کرائے وغیرہ کی معقول رقم باقاعدگی سے بھیج دیتے۔

اب وہ تو یونیورسٹی میں ہوتا اور اس کی غیر موجودگی میں احد ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر دس گیارہ بجے ڈپلی کیٹ چابی کی مدد سے اس فلیٹ میں آجاتا۔ زائر کے کمپیوٹر کی شامت لائی جاتی۔ اسے نیٹ پہ لڑکیوں سے دوستیاں گانٹھنے اور خود لڑکی بن کر دوسرے الوؤں کو مزید الو بنانے کی لت یہیں سے پڑی تھی۔ کمپیوٹر کی جان بخشی ہوتی تو ٹی وی کی خبر لی جاتی۔ زائر کے علم میں لائے بغیر اس نے کیبل کنکشن بھی خود ہی لے لیا اور وہ جسے یونیورسٹی سے آنے کے بعد بھی پڑھنے سے فرصت نہیں ملتی تھی' بے کار میں ہر ماہ دو سو روپے کیبل کے بھی بھرنے لگا۔ توجیہ احد نے یہ پیش کی تھی کہ اس کیبل سروس کے ساتھ انٹرنیٹ کنکشن کی سہولت بھی موجود ہے۔

لیٹنے' سونے ٹیرس پہ کھڑے ہو کے تاکا جھانکی کرنے' نیٹ چیٹنگ اور ٹی وی سے دل بہلانے کے بعد اگر وقت بچتا اور جی چاہتا تو احد' زائر کے چھوٹے موٹے کام بھی نمٹا دیا کرتا۔ اس کی کتابیں سمیٹ دینا' پنکھے اور کھڑکی کے جالے اتار دینا' دھل کے رکھے کپڑے الماری میں ٹھکانے لگا دینا اور کبھی بہت موڈ میں ہوتا تو نکڑ والی دوکان سے مرغی کا گوشت لا کر چکن کڑاھی بھی بنا دیتا۔

یہ الگ بات کہ اگلے روز زائر کو ہی گوشت کے پیسے چکانے پڑتے۔ کبھی کبھی وہ گھر سے اپنا اور اس کا کھانا بھی یہیں لے آیا کرتا۔ یہ اس کی واحد حرکت تھی جس پہ زائر کا دل خوش ہو جاتا۔ ایک عرصے سے ہاسٹلوں اور چھپر ہار کہ ہوٹلوں کے بدمزہ کھانے کھا کھا کر اسے اب گھر کی پکی سادہ دال روٹی بھی کسی نعمت سے کم نہ لگتی تھی۔ وہ اس پہ اتنا مشکور ہوتا کہ الٹا احد شرمندہ ہو جاتا۔

آج بھی اس نے دیکھا کہ اس کے پاء جی بمع ایک عدد نئے نویلے مہمان کے' اس سے ملنے آئے ہیں تو وہ زائر کو کچھ نہ پکانے کا کہتے ہوئے وہاں سے نکل آیا لیکن امی نے ہزار مشکلوں کے بعد یہ ایک ایک پلیٹ سالن دیا تھا۔ اب چار بندے اور دو پلیٹ سالن۔ مجبوراً "اسے منحوس بھابھی کو "بھابھی ماں" بنانا پڑا۔

☼ ☼ ☼

پچھلے ایک گھنٹے میں یہ تیسرا ٹشو پیپر تھا جو ضویا نے چھکوں پہ ہچکوں روتی نورین کو تھمایا تھا۔ اب تو گراؤنڈ میں آتی جاتی لڑکیاں بھی ان دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ضویا کچھ پریشان سی ہو گئی۔ اس بار اس نے ہمدردی یا پیار سے اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے کے بجائے سختی سے کہا۔

"بس بھی کرو نورین! سب لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ پتا نہیں کیا کیا قصے بنالیں گی۔ اب بند بھی کرو یہ رونا دھونا۔"

"تمہیں تو ہر وقت یہی فکر لگی رہتی ہے۔ یہ کیا سوچے گا' وہ کیا کہے گا' میرے دکھ کا اندازہ نہیں ہے۔ بس یہ ہے تمہاری دوستی۔" اس نے سڑ سڑ کرتی ناک زور سے پونچھ کر کہا۔

"کیسا دکھ؟ پاگل ہو تم نورین! وہ تمہیں چھوڑ کے تو نہیں بھاگا۔ نہ اس کی کہیں اور شادی ہو رہی ہے' نہ امریکہ۔ یا لندن جا کر بس رہا ہے جو تمہیں اس کے برسوں سالوں تک لوٹنے کی امید نہ ہو۔"

"ایسی منحوس باتیں کر رہی ہو تم۔" وہ رونا دھونا بھلانے کو تیار ہو گئی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ وہ تمہارا منگیتر ہے' کزن ہے اور تمہاری اس سے منگنی آج سے سال پہلے ہوئی تھی' جب تم صرف چھ سال کی اور یہ رشتہ بھی وٹے سٹے کا ہے' یعنی اس کی اپنی تمہاری بھابھی ہے۔ تم اسے اور وہ تمہیں پسند کرتا ہے پھر یہ دکھ کم بخت کہاں سے ٹپک آیا۔ وہ کے لیے گیا ہے' زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی سال واپس آجائے گا۔ تم تو ایسے رو رہی ہو جیسے۔۔۔"

"تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی ضویا! ورنہ پتا ہوتا کہ محبوب کا نظروں سے دور ہونا کیسے روح کو کھینچ لیتا ہے۔"

"تم ناول بہت پڑھتی ہو' اسی لیے ایسے فضول رٹ رکھے ہیں۔ ہونہہ۔۔۔ محبوب۔۔۔ نظروں۔۔۔ احمق' سیالکوٹ سے لاہور آخر کتنے فاصلے آجایا کرے گا' دس پندرہ روز بعد۔"

"اور لاہور میں اگر کوئی اس کے دل کو بھا گئی تو۔۔۔"

"تو شکر ادا کرنا۔" ضویا یہ کہتے کہتے رہ گئی۔ حقیقتاً اپنی بچپن کی عزیز دوست کا یہ چھچھورا کزن اور ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ مرے پہ سو درّے۔ نورین کی زبانی اس انسان کے قصیدے بھی طوعاً سننا پڑتے۔ وہ تو مذاق میں بھی نورین کو یہ مشورہ دے سکتی تھی کہ وہ اس منگنی کو شادی تک لے جانے کا خیال ترک کر دے۔ اس قدر دیوانی تھی اپنے منگیتر کے عشق میں۔

"اچھا شوق چڑھا ہے خالو کو۔ اچھا بھلا بی اے کر تو شبیر علی نے۔ آخر کو تو زمینیں ہی سنبھالنی ہیں پھر یہ اے کرانے کی کیا تک تھی اور میرا بی اے کرنا بھی ضروری نہیں تھا۔ بیوی کو شوہر کے مقابلے میں کم پڑھا لکھا ہونا چاہیے۔ وہ بی اے' میں انٹر پاس۔ کیا تھا اس سال ہماری شادی ہو جاتی پھر ہم اکٹھے لاہور جاتے۔"

"کبھی کبھی تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ تعلیم نے تمہارا نہ کچھ سنوارا ہے' نہ بگاڑا ہے۔ تم انٹر پاس تو کیا مڈل پاس بھی نہیں لگتیں۔ آج کل کے زمانے کی لڑکی ہو اور باتیں پچھلی صدی والی کرتی ہو۔"

"میں آج کل کے زمانے کی لڑکی ہوں۔ پرانے زمانے کی تو تم ہو۔ دقیانوسی خیالات کی مالک اور تنگ ذہنیت کی۔"

"جسے تم میری دقیانوسیت کہتی ہو' وہ میری پاکیزگی اور حیا ہے اور جسے تم تنگ ذہنیت کہتی ہو' وہ میری شرافت اور روایات کی پاس داری ہے اور یہ جسے تم اپنی ماڈرن سوچ گردانتی ہو' وہ سراسر تباہی کا راستہ ہے۔"

ضویا نے جتا کر کہا۔ وہ بخوبی سمجھ گئی تھی کہ نورین نے اسے دقیانوسیت کا طعنہ کس لیے دیا تھا کیونکہ ضویا اس کا اپنے منگیتر سے چھپ چھپ کر ملنا پسند نہیں کرتی تھی اور اکثر و بیشتر دونوں میں اس مسئلے پہ ہلکی پھلکی جھڑپ ہو جایا کرتی تھی۔ ان حرکتوں پہ سخت نالاں ضویا اس دوستی کو برقرار رکھنے پہ مجبور تھی کیونکہ بچپن کی یہ دوستی اب عادت بن چکی تھی۔ دونوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ کالج کے علاوہ بھی دن رات کا ساتھ تھا۔

☼ ☼ ☼

احد اگلے ہی روز سی ڈی پلیئر زائر کے فلیٹ پہ اٹھا لایا۔ ساتھ میں دو نئی انگلش اور ایک انڈین موی کی سی ڈی بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ گھر میں یہ شوق آزادی سے پورے نہیں ہو سکتے تھے۔ امی تو اسے کسی بھی ایسی مصروفیت میں مگن دیکھ کر اس کی بے فکری گھریلو حالات کی تنگی وغیرہ کا رونا شروع کر دیتی تھیں اور ابو خود رونے نہیں روتے تھے بلکہ اسے آٹھ آٹھ آنسو رلاتے تھے۔

کم تو بھائی جان بھی نہ تھے۔ بیوی کی غیر موجودگی میں اس نے جہیز کا سی ڈی پلیئر اس کے کمرے میں دیکھ کر وہ

posted by kausar56@oneurdu.com KAUSAR56

"تمہاری طبیعت آج ٹھیک نہیں لگ رہی ہے' کتابیں سمیٹو اور کمبل تان کے سو جاؤ۔" زائر نے مخلصانہ مشورہ دیا جسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ اپنی ہی کہنے میں مگن رہا۔

"چلو ہالی وڈ کی نہ سہی' بالی وڈ کی فلم ہی ہوتی زندگی... اپنی لائف میں کیا رکھا ہے۔ خوف' ڈر' اندیشے۔ امتحان میں فیل نہ ہو جاؤں۔ اگر نقل کر رہا ہوں تو پکڑا نہ جاؤں' اگر کسی لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوں تو کسی نہ کسی کے دیکھ لینے کا ڈر... اگر محبت وجبت ہو جائے تو اس کی تعریف کرتے ہوئے راہ چلتے لوگوں کے چھتر پڑنے کا ڈر' کرائے کی بائیک پہ دوستوں کے ساتھ جاتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہونے کا ڈر' کسی سے ادھار مانگتے ہوئے انکار سننے کا ڈر..."

"ہاں' بس نہیں ہے تو تمہیں میرا کوئی ڈر نہیں ہے۔ حالانکہ اس وقت تمہیں صرف اور صرف مجھ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ میں نہایت سنجیدگی سے تمہارے قتل کے بلکہ جارحانہ قتل کے طریقوں پہ غور کر رہا ہوں۔"

"ہائے... کاش واقعی زندگی بالی وڈ کی کوئی فلم ہوتی' اس کے ہیرو تمہارے جیسے للو پنجو کے مارنے سے نہیں مرتے' ہاں ویو داس کی طرح عشق میں جان دے دیں تو اور بات ہے۔ واہ کیا نڈر' بے خوف زندگی ہوتی ہے' چاہے بائیک اٹھا کر چالیس فٹ اوپر سے چھلانگ مار لو' چاہے بھری محفل میں ہیروئن کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر بھڑکیلا سا گیت گالو' چاہے اس کے ساتھ بھرے بازاروں اور پر رونق سڑکوں پہ اچھلتے کودتے پھرو' کوئی ڈر نہیں' کوئی خوف نہیں' حد تو یہ ہے کہ دس بارہ گولیاں بھی اگر تمہارے جیسا کوئی حسد کا مارا' سینے میں اتار دے تو ہیرو کی مجال نہیں کہ وہ مر جائے۔"

"تو ہالی وڈ یا بالی وڈ تک کیوں جاتے ہو۔" ہمیشہ کی طرح احد اس کا دھیان پڑھائی سے ہٹانے میں بالآخر کامیاب ہو گیا تھا۔ اور وہ نا محسوس طریقے سے اس کی بے سروپا گفتگو میں حصہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"اپنی فلموں میں کیا کم ہو نکیاں ماری جاتی ہیں۔ مولا جٹ کو ہی دیکھ لو۔ ماں اپنے گھر سے حلق پھاڑتی تھی اور جٹ صاحب دوسرے پنڈ میں بیٹھے بیٹھے سن لیتے تھے اور اپنے اڑیل ٹٹو کو دوڑاتے پل بھر میں وہاں موجود۔ گولیاں تو گولیاں' برچھے' نیزے' چھرے تک... سب اوزار و ہتھیار ان پہ آزمائے جاتے تھے۔ ریشمی کرتا خون سے نچڑتا ہوا اور لمبا ہو جاتا تھا۔ گھنگھریالے بالوں والی وگ بھی لہو سے تر بتر... مگر ہمت میں کمی نہیں آتی تھی اور وہ تمہارے سپر مین' اسپائڈر مین کیا بیچتے ہیں ہمارے مولا جٹ کے سامنے۔ وہ تو چپ چپاتی چھلانگیں مارتے ہیں جبکہ ہماری پنجابی چھلانگیں' میوزیکل چھلانگیں ہوتی ہیں۔ ہر چھلانگ پہ دل دہلا دینے والا میوزک بجتا ہے۔ ڈھشوں ڈھشوں... فشوں' پاؤں... اور گھونسہ' اس کے ساؤنڈ افیکٹ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ اگر ولن گھونسے سے آؤٹ نہیں ہوا تو اس کی آواز کی دہشت سے تو ضرور ہی فوت ہو جائے گا۔"

"اپنے پاس رکھو تم اپنا مولا جٹ' اس کے سارے کارنامے ایک طرف اور اس کی ہیروئن کی عبرت ناک ادائیں ایک طرف۔ اتنا دلیر ہے تمہارا مولا جٹ تو سینہ تان کر مقابل کیوں نہیں آتا اپنی ہیروئن کے۔ مولا جٹ کا سلطان راہی ہو' ہیولا ہو یا کاشان یا کوئی بھی اور طرم خان' منہ چھپاتا پھرتا ہے اپنی زور آور ہیروئن سے... وہ ادھر ٹھمکا مارتی ہے' یہ صاحب ادھر رخ بدلتے ہیں۔ نہ بھئی! مجھے ایسی خوفزدہ کرنے والی ہیروئن نہیں چاہیے۔"

"بس بہت ہو گئی تمہاری اول جلول بکواس۔ اب مجھے سکون سے پڑھنے دو۔ خبردار جو اب یہ اونٹ کی تھوتھنی جیسا منہ کھولا تو۔" اس نے پھر سے چشمہ درست کر کے کتاب کھولی۔ اچانک ہی کل ہونے والے ٹیسٹ نے اپنا آپ بھرپور طریقے سے یاد کرایا تھا۔

"تمہارے چشمے کا نمبر بڑھ گیا ہے بڑے میاں!

بڑا چاند سا مکھڑا تمہیں اونٹ کی شکل جیسا لگ رہا ہے۔ تم ایک سنگ دل' شعور اور احساسات و جذبات سے عاری انسان ہو جس کے پاس ان دل جلا کے راکھ کر دینے والی اذیت ناک کتابوں کے لیے تو وقت ہے مگر اپنے یار کا حال دل سننے کی فرصت نہیں۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولا مگر زائر قطعاً "متاثر نہ ہوا بلکہ اپنی کتابیں سمیٹنے لگا۔

"تمہارے دل کا حال مجھے "منہ زبانی" یاد ہے۔ کسی ریما' شیما نے یا سوئٹی پریٹی نے ٹھینگا دکھا دیا ہو گا... یا پھر... ہاں وہ نیٹ پہ آج کل کون سی بچی گھیر رہے تھے تم... کیا واہیات سا نام تھا' ہاں مونیلا... لگتا ہے اس سے ملنے گئے ہو گے اور وہ مونیلا کے بجائے "منہ نیلا" نکل آئی ہو گی۔ جیسے پچھلی بار روشنی کے بجائے راشد بھٹی نکل آیا تھا... اور خبردار' میرے پیچھے مت آنا' میں پناہ لینے ٹیرس پہ جا رہا ہوں۔"

"مرو تم اسی ڈربے میں' ٹیرس پہ میں چلا جاتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں' مجھے اس فلیٹ سے نکلوانا ہے کیا۔ اپنے محلے میں تو تم ہر اس گھر سے لعنتیں لے ہی چکے ہو' جہاں جہاں لڑکی نام کی مخلوق پائی جاتی ہے۔ اب میرے فلیٹ کے ٹیرس کو مورچہ بنا کر یہ کھیل کھیلنے کی کوشش کی تو مجھے اس ٹھکانے سے بھی محروم کرو گے۔"

اس نے سخت انداز میں تنبیہہ کی۔ اس کے جانے کے بعد احد نے پھر سے ریموٹ اٹھا لیا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ زائر کی دھمکی سے ڈر گیا تھا بلکہ حقیقتاً" اسے اس روکھے پھیکے ٹیرس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی' جس کے سامنے پارکنگ کا وسیع گراؤنڈ تھا۔ دائیں طرف اسٹیٹ ایجنسی والے آفس کی بیرونی بالکنی تھی تو بائیں طرف والے فلیٹ میں ایک عمر رسیدہ نرس رہتی تھی جس کے تیور اتنے خطرناک اور عزائم اتنے بھیانک تھے کہ احد نے اسے عمر رسیدہ نرس کے بجائے "جہنم رسیدہ نرس" کا خطاب دے رکھا تھا۔ اسپورٹس چینل پہ فٹ نیس پروگرام آ رہا تھا۔ چار کسرتی جسم والی تگڑی تگڑی دوشیزائیں ایروبکس کر رہی تھیں۔ وہ فل والیم پہ ان کی کسرت دیکھ رہا تھا۔ جب پاء جی نے زوردار انٹری دی۔

"واہ جی' آج تو احد باؤ آیا ہوا ہے... آجا شیرو پتر' اندر لنگ آ۔" ان کے پیچھے پیچھے ایک اور انٹری ہوئی' نیو انٹری۔ عمر چھبیس ستائیس سال' لنڈے کی جینز جس پہ بڑے دل فگار ٹیٹوس چسپاں تھے۔ آئی لو یو' تیر مارکہ دل وغیرہ جیسے۔ اسکن ٹائٹ بلیک شرٹ میں اس کی منی سی توند بھی ٹائٹ ہو رہی تھی۔ گلے میں چین بالکل زنجیر مارکہ۔ ایک کان میں بالی گردن تک لمبی لٹیں۔ ایک کلائی میں چمکتی گھڑی۔ دوسری میں اس سے بھی چمکتا بریسلٹ' رنگ صاف' قد لمبا' آنکھیں بڑی اور خاصی ہوشیار قسم کی۔ احد نے دلچسپی سے اس نئے کیریکٹر کو دیکھا۔

"اوئے کدھر گیا زائر؟ اس کے تو پرچے ہونے والے تھے۔ فلم شلم دیکھنے تو نہیں چلا گیا۔"

پاء جی کو اس کی غیر موجودگی سے اندیشے لاحق ہوئے۔ اس سے پہلے کہ احد اپنے اندر بھڑکتی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کسی شر انگیز کارروائی کے بارے میں سوچتا' زائر اپنے پاء جی کی فکر آمیز آواز سنتے ہی ٹیرس سے بھاگا بھاگا آیا۔

"شاوا بھئی' پڑھائیاں ہو رہی تھیں۔ احد باؤ! تم بھی پڑھا شڑھا کرو۔ یہ ٹی وی فلمیں کچھ نہیں کام آتے' پڑھائیاں کام آتی ہیں۔ زائر' یہ شیرو ہے' چاچے صدیق کی سالی کا پتر... بھئی اپنی چھوٹی چاچی کا بھانجا۔ اپنا ہی کاکا ہوا۔ اسے بھی ادھر داخلہ مل گیا ہے۔ بڑا لائق فائق ہے۔ ادھر سیالکوٹ سے ہی بی اے کیا ہے۔ اب آگے پڑھنے کے لئے لاہور داخلہ لیا ہے۔ چاچے نے سوچا' ایویں بے فضول میں ہاسٹل کے کرائے بھرے گا۔ زائر کے ساتھ رہ لے گا۔ میں نے بھی کہا۔ سو بسم اللہ' جم جم رہے۔ زائر بھی تو اتنے بڑے فلیٹ میں "کلا" (اکیلا) رہتا ہے۔"

posted by kausar56 for one urdu kausar56 one urdu

اگر جو بھابھی کو پتا چل جائے کہ اس نے مجھے اتنے تحفے دیے ہیں، وہ کل ملا کے آٹھ دس ہزار تک کے ہوں گے، تب تو بھابھی جل کے خاک ہو جائے، اسی لیے تو میں نے ہوا تک نہیں لگنے دی بھابھی کو۔"

"ان کے ساتھ ملنے گئی تھی تو ان سے چھپا کے تحفے کیسے لے آئی؟"

"اتنی بے وقوف نہیں ہوں میں۔ میں نے تو بھابھی پہ یوں ظاہر کیا جیسے میں ان کے بے حد اصرار پہ مجبوراً نہ چاہتے ہوئے شیرو سے ملنے جا رہی ہوں اور بھابھی بھی کوئی احمق تھیں، جو مجھے لے کر پارک وغیرہ میں چلی جاتیں۔ بھائی مجھے تو چھوڑ دیتے شاید نگران کی خیر نہیں تھی بلکہ وہ تو مجھے ان کے ساتھ نکلتے دیکھ کر ہی کھسک جاتے۔ ایسے شاطر دماغ ہیں اور کیوں نہ ہوں، اپنے اپنے وقتوں میں سب ہی یہ کھیل اچھی طرح کھیل چکے ہیں، اس لیے بھابھی کے ساتھ ساتھ باجی بھی اس راز میں برابر کی شریک تھیں۔ باجی نے فون کرکے مجھے اور بھابھی کو اپنی طرف بلوایا تھا، یہ کہہ کر کہ اس کے سسرال والے کسی تعزیت کے سلسلے میں گوجرہ جا رہے ہیں۔ وہ چونکہ چلے میں تھی، اس لیے دن بھر اکیلی نہیں رہ سکتی۔ بھائی خود مجھے اور بھابھی کو باجی کے دروازے پہ اتار کے آیا۔ اس کے سسرال والے واقعی گوجرہ گئے ہوئے تھے۔ وہیں شیرو آیا اور باجی کے ڈرائنگ روم میں ہم تقریباً دو گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔ اس کے کہنے پر ہی میں نے بھی بھابھی کی نظروں میں آنے سے پہلے پہلے یہ سارے تحفے صوفے کے نیچے چھپا دیے۔ باجی کو پتا آئی تھی، کل وہ چلہ نہانے کے بعد یہاں رہنے آئیں تو سارے تحفے مجھے دے دیے۔ ابھی دکھاتی ہوں تجھے۔"

وہ دروازے کے اچھی طرح بند ہونے کا اطمینان کرنے کے بعد الماری سے تحفے نکالنے لگی اور ضویا اسی طرح منہ کھولے حیران پریشان بیٹھی رہی۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی اپنی بڑی بہن یا بھابھی سے اس حد تک بے تکلف ہو سکتا ہے۔ ضویا کی سمجھ میں تو نورین کی باجی نبیلہ کا کردار بھی نہیں آ رہا تھا۔ یہ وہی باجی تھیں جو شادی سے پہلے بلا جھجک نورین کو کسی بھی بات پہ چپیٹ ڈالا کرتی تھیں پھر اب وہ اتنی آزاد خیال کیسے ہو گئیں کہ..." وہ خود کو اگلے سوال سے روک نہ پائی۔

"لیکن نورین! تمہاری باجی کیسے مان گئیں۔ انہوں نے یہ گوارا کیسے کر لیا کہ تم اکیلے اس کے ساتھ کمرے میں اتنی دیر بیٹھی رہیں؟"

"لو... شیرو کوئی غیر ہے، کوئی راہ چلتا لفنگا ہے۔ فرسٹ کزن ہے، میرا بچپن کا منگیتر ہے اور باجی اب پہلے جیسی نہیں رہیں، بدل گئی ہیں۔ ان کی بھی تو بچپن کی منگنی تھی۔ باجی میٹرک کے امتحان میں ایک پرچے میں ذرا سے نمبروں سے رہ گئیں تو کسی نے دوبارہ امتحان دلوانے یا آگے پڑھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ادھر رفیع بھائی جان ڈگریاں لیتے رہے۔ شیرو کی طرح وہ بھی لاہور پڑھنے گئے تھے، پنجاب یونیورسٹی میں۔ وہاں سے آ کر باجی جیسی سیدھی سادی بیوی کہاں نظروں میں بچتی، اسی لیے میں شیرو کے جانے پہ اتنا رو رہی تھی کہ اب وہاں یونیورسٹی کی ماڈرن لڑکیوں کے ساتھ پڑھنے اور دوستی رکھنے کے بعد اس کی نظروں میں، میں کہاں بچوں گی، لیکن اصل بات یہ ہے ضویا! کہ اسے مجھ سے محبت ہے، اب وہ کچھ بھی کر لے، مجھ سے جان نہیں چھڑا سکتا۔" وہ ہنسی اور پھر انکشاف کیا۔

"پتا ہے باجی اپنے تجربے کے بعد ہی مجھے خود آگے کر رہی ہیں تاکہ میں شیرو کو قابو میں رکھوں، اس سے ملتی رہوں تاکہ اس کا دھیان کسی اور کی طرف نہ جائے۔"

"مگر نورین! محبت تو..." وہ کہتے کہتے رک گئی۔ کہنا چاہتی تھی کہ "محبت قرب کی محتاج نہیں ہوتی۔ اگر محبت ہے تو ہے... اور اگر نہیں... تو کوئی کسی کو کتنا بھی باندھ کر اپنے ساتھ رکھ لے، اپنا نہیں بنا سکتا۔"

مگر کیسے کہتی ایک جھجک مانع تھی۔ نورین بھی فوراً جتا دیتی کہ تم کیا جانو محبت کیا ہے، تم نے کی ہے محبت؟ سو وہ چپ ہی رہی اور اس کے تحائف دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"آخر آپ یہ بھائی جان کے دیے چھ ہزار روپوں کا رعب مجھ پہ کیوں ڈالتی رہتی ہیں۔"

بالآخر ایک روز وہ ترخ ہی گیا۔ ایک تو زائر کے فلیٹ پہلے جیسی آزادی کے ساتھ نہ جانے کی جھنجلاہٹ، دوسرا اس ہفتے میں دیے گئے تینوں انٹرویوز میں ریجیکٹ ہونے کی تلخی تھی، اوپر سے امی کا ہر وقت اس کو گھیرے میں لے کر ابو کی صحت کی خرابی، معاشی تنگ دستی اور بھائی جان پہ دن بدن بڑھتے مالی بوجھ کے رونے رونا۔ ہر بات کی تان آخر میں اس کی بے روزگاری پہ ٹوٹتی جو اس کی ذاتی پیدا کردہ ہرگز نہ تھی۔

"تو اور کس پہ ڈالوں۔"

"اپنی اٹھارہ ہزار کی تنخواہ میں سے اگر وہ چھ آٹھ ہزار اس گھر میں خرچ کر دیتے ہیں تو ہم سب پہ کوئی احسان نہیں کرتے۔ نہ ہی یہ گھر صرف اور صرف ان کی اس رقم پہ چل رہا ہے۔ وہ بھی اس گھر میں رہتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں تو کیا پیسے نہ دیں گے۔"

"تم بھی تو رہتے ہو، کھاتے ہو، پیتے ہو، تم کیوں پیسے نہیں دیتے۔" مہوش اس کی بلند آواز سن کر کمرے میں کیسے بیٹھی رہتی۔ فوراً اپنے پنجے تیز کرکے باہر نکلی، امی گھبرا گئیں۔

"ہائے ہائے مہوش! تم کیوں اس حالت میں اس کے منہ لگتی ہو۔ پہلے ہی تمہارا بلڈ پریشر ہائی ہے۔ چلو شاباش، اندر چل کے آرام کرو۔"

"کیسا آرام، اس گھر میں رہ کر آرام نصیب میں کہاں۔" وہ احد کو خونخوار نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ذرا آنکھ لگی تھی کہ یہ شور شرابا شروع ہو گیا۔ پتا نہیں اس کا دل کیوں نہیں گھبراتا گھر میں بیٹھے بیٹھے۔"

"تو کیا کروں، کہاں جاؤں۔" وہ سامنے رکھی پرات کو ٹھوکر مارتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"مزاروں پہ جا کے بیٹھ جاؤں، قبرستانوں میں چرسیوں کے ساتھ وقت گزارنا شروع کر دوں، فٹ پاتھ پہ فقیروں کے ساتھ دن گزار لیا کروں۔ بتائیں، آپ کو ایک پرسکون گھر مہیا کرنے کے لیے میں اپنا ناکارہ اور فضول وجود کس جہنم میں جھونکوں۔"

امی آخر ماں تھیں، ان باتوں پہ اور احد کے لہجے سے ٹپکتی مایوسی سے دہل کے رہ گئیں۔

"اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کرتے ہو۔ بھابھی ماں کی جگہ ہوتی ہے، اس کے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس تمہیں سمجھا رہی تھی کہ وقت ضائع..."

"وقت نہیں امی! میں خود ضائع ہو رہا ہوں اور شاید آپ سب کی امیدیں بھی ضائع ہو رہی ہیں، جو آپ اولاد کے پیدا ہوتے ہی اس سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ آپ کے برسوں تک کیے جانے والے پیار، دی جانے والی توجہ اور خرچ ہونے والی رقم کا متبادل صلہ جو نہیں مل رہا۔"

"انسان درخت لگاتا ہے تو اسی آس پہ کہ اس کا پھل نہ سہی، کم از کم سایہ تو ملے۔"

اپنی پشت پہ ابو کی کڑک دار آواز سن کر اس کا سارا طیش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ابو کے غصے سے اس کی جان جاتی تھی۔ اس نے غائب ہونے میں ایک منٹ کی دیر نہ لگائی۔ ابو نے پیچھے سے رعب دار انداز میں پکارا بھی لیکن اس نے عافیت اسی میں جانی کہ کان لپیٹ کر کمرے میں چلا جائے۔

"کم بخت خود کو تو کسی کام کا اہل نہیں ثابت کر سکا اور ماں باپ کی نیت پہ الزام دھر رہا ہے۔ امیدیں... ہونہہ... میں ان باپوں میں سے نہیں جو اولاد کا منہ تکتے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک گھر گھر جا کر چار پیسے کماتا ہوں۔ ابھی کچھ کرتا کراتا نہیں تو اتنا اچھل اچھل کر ماں کے آگے بول رہا ہے۔ اللہ نہ کرے جو کبھی ہمیں اس کے آسرے پہ رہنا پڑے۔ یہ تو بڑے سے بڑھ کر بے دید ثابت ہوگا۔ اللہ میرے ہاتھ پیر سلامت رکھے، آخری دم تک چلتا پھرتا رکھے۔"

"آمین۔" امی نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی خاطر شربت کا گلاس پیش کیا۔ انہوں نے شربت کے بڑے بڑے گھونٹ بھر کے سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑا۔

"سب تمہاری ڈھیل ہے زبیدہ! کسی دن میرے

posted by kausar56 @ oneurdu.com KAUSAR56

کیسے پتا چلے۔ بس دوپٹہ ماتھے پہ باندھا' شکل پہ پھٹکار برسائی اور سارے کام چھوڑ کر ہائے ہائے کرتے لیٹ گئے۔"

"بہت غلط حرکت ہے' اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ ابو سے بات کریں' دو منٹ میں سارے درد بھگا دیں گے۔ آپ کی عمر تھوڑی ہے سارا دن کام کرنے کی۔"

"پھر وہی بات' خبردار جو ان سے کچھ کہا۔ اور میری عمر کا بڑا دھیان ہے۔ تمہارے ابو مجھ سے آٹھ سال بڑے ہیں اور دو دو ٹیکسیں بدل کر ٹیوشن پڑھانے جاتے ہیں۔ ان کا بھی خیال کیا تم نے۔ بار بار دھمکیاں کس بات کی دے رہے ہو۔ کیا اس کی امید ہے کہ تمہاری دھمکی کے رعب میں آکر میں تمہارے مفت خور دوستوں کے لیے ٹرے سجادوں گی۔"

"کیا صحیح پہچانا ہے۔" وہ ماں کی معاملہ فہمی پہ اش اش کر اٹھا۔

"لیکن امی! میں آپ کو بلیک میل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ سچ مچ آپ کی ہمدردی میں یہ بات ابو کو بتاؤں گا۔ دیکھیں' کب سے آپ کام کر رہی ہیں۔" وہ عیاری سے مسکرایا۔

"پکے خبیث ہو تم۔ میری ہمدردی..... ہاں وہ نازوں پلی لڑکی یہاں سے چلی گئی' تب تو مجھے کام نہیں کرنا پڑے گا نا جیسے....."

"کرنا تو پڑے گا' مگر پانچ افراد کے بجائے صرف ہم دو باپ بیٹے کا کام کرنا پڑے گا۔"

"کیوں' ابھی ایک اور نواب زادی کی آمد بھی تو باقی ہے' ایک اور بہو آئی ہے۔ احسن تو شروع سے ایسا سیدھا بچہ تھا۔ دیکھو بیوی نے کیسا ٹیڑھا کیا اور تم تو پیدائشی ٹیڑھے ہو۔ پتا نہیں شادی کے بعد کیا کیا کارنامے کرو گے۔ لو' یہ دو پلیٹ سالن نکال دیا ہے' میں نے رات کا کھانا ساتھ پکایا تھا' بار بار کچن میں نہیں آیا جاتا۔ اس سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ اب بھی اگر تم اپنے ابو کے کان بھرنے سے باز نہ آئے تو یاد رکھنا میری یادداشت میں بھی بہت سے قصے مچل رہے ہیں' انہیں سنانے کو' سمجھے۔"

وہ بھی احد علی کی امی تھیں' جوابی دھمکی دے کر ایک پلیٹ میں مٹر گوشت اور دوسری میں دال نکال دی۔ وہ چپ چاپ ٹرے میں پلیٹیں رکھنے کے بعد چھوٹی پیالیوں میں اچار اور سلاد نکالنے لگا۔

ٹرے کچن سے لے جا کر برآمدے میں رکھی' نبیل کے رکھنے کے بعد اس کا رخ بھابھی کے کمرے کی جانب تھا۔

"سنا ہے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔" مؤدبانہ دریافت کیا گیا مگر اس کی مرصع و پرتکلف اردو میٹرک پاس بھابھی کے سر سے گزر گئی۔

"ہاں' دشمن ہی تو ہوں' کہہ لو تم بھی مگر میں پوچھتی ہوں' اب تمہارے ساتھ کیا دشمنی کر ڈالی میں نے۔" مہوش بھابھی نے میچنگ دوپٹہ سر پہ باندھ رکھا تھا۔

"کمال کرتی ہیں بھابھی ماں! میرا کہنے کا مطلب تھا کہ آپ کا سردرد آپ کے دشمنوں کو نصیب ہو۔ اوہو..... ہو..... آپ کا تو اتنا سا منہ نکل آیا۔" اس نے دونوں ہاتھوں کو چار کلو کے تربوز کے برابر پھیلاتے ہوئے تشویش ظاہر کی۔

"وہ تو ہونا ہی تھا۔ صبح سے سردرد سے تڑپ رہی ہوں۔ احسن سے اتنا نہ ہوا کہ مجھے میری امی کی طرف ہی چھوڑتے جائیں..... ہائے۔"

"تو فکر کس بات کی ہے' آپ کا یہ لاڈلا دیور کس دن کام آئے گا بھابھی ماں! آپ تیار ہوں' میں رکشہ لے کر آتا ہوں بلکہ تیار کیا ہونا' واہ یہ پیازی سوٹ اور اس پہ گولڈن گولڈن موتیوں کا کام..... کتنا جچ رہا ہے یہ۔ چلیں جب تک میں رکشہ لے کر آتا ہوں' آپ میک اپ درست کرلیں اور یہ دوپٹہ سر سے کھول کر شانوں پہ پھیلالیں۔ سر پہ ایسا کریں' دوسرا کوئی دوپٹہ باندھ لیں' گولڈن بھی چلے گا۔"

"احسن ناراض نہ ہوں کہیں؟"

"ناراض تو آپ کو ہونا چاہیے' آپ کا شوہر بیماری میں آپ کو اکیلا چھوڑ گیا' سسرال میں کوئی سر دبانے والا نہیں۔ ساس نے دوپہر کے ڈیڑھ بجے تک کھانا نہیں پوچھا اور سردرد سے آپ کا ہارٹ فیل ہونے والا

ہے۔ میں تو کہتا ہوں بیگ بھر کے کپڑے ساتھ لے جائیں۔ دو چار دن تک روٹھی رہیں' خود ہی احسن بھائی جان کے مزاج ٹھکانے آجائیں گے' انہیں بھی پتا چلے اتنی حسین و جمیل' معصوم بیوی کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔"

اس کی فراٹے بھرتی زبان کی شعبدہ بازیاں مہوش بھانپ نہ سکی اور اسی میں خوش ہوگئی کہ کسی طرح میکے جانے اور دو دن ہوسکا جمانے کا ایک اور موقع مل رہا ہے۔

"بھابھی ماں! آپ تو میرے اندازے سے بڑھ کر بھولی ہیں۔ ایسے سجے سجائے کمرے میں بھلا بھائی جان کو آپ کی کیا کمی محسوس ہوگی۔ یہ سی ڈی پلیئر' یہ کاجو پستے کا بھرا ہوا جار' یہ گجریلے کا ٹھنڈا ٹھنڈا ڈونگا۔ وہ تو یہاں پکنک منائیں گے۔"

اس کے توجہ دلانے پہ مہوش نے جھٹ پٹ گجریلا روم فریج میں اور ڈرائی فروٹ الماری میں رکھنے کے بعد لاک لگا دیا وہ جو "مال مسروقہ" اپنے تصرف میں لینے کے ارادے باندھ رہا تھا' دانت کچکچا کے رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سی ڈی پلیئر کے ساتھ بھی ایسی کچھ حرکت کرتی' اس نے فوراً آگے بڑھ کر سی ڈی پلیئر اٹھالیا۔

"بھابھی ماں! آپ کی اجازت ہو تو اسے اپنے کمرے میں لے جاؤں۔"

مہوش نے ذرا رک کر اس کے معاون کردار کے بارے میں سوچا۔ اس کے ہمدردانہ مکالمے یاد کیے۔ اس وقت بہتر یہی تھا کہ سسرال کے اس اکلوتے حلیف کو قابو میں رکھا جائے پھر سی ڈی پلیئر کون سا گجریلے کا ڈونگا یا ڈرائی فروٹ کا جار تھا جو چٹ پٹ ہو جاتا۔

"اچھا ٹھیک ہے مگر ذرا احتیاط سے استعمال کرنا مگر احد! کہیں میں اکیلی جا کر کوئی غلطی تو نہیں کر رہی۔ کہیں میری غیر موجودگی میں احسن پہ میری گرفت ڈھیلی..... میرا مطلب ہے کہیں وہ تمہاری امی..... اُفوہ....."

وہ فیصلہ نہ کرپا رہی تھی کہ احد سے اس کے ماں باپ کے حوالے سے اپنے اندیشوں کا اظہار کرے یا نہ کرے۔

"آپ بے فکر رہیں' میں آپ کو بھائی جان کے پل پل کی رپورٹ..... مگر وہ تو آفس سے آتے ہی سی ایل آئی چیک کرتے ہیں کہ کس کا فون آیا اور کس کس نے کہاں کا نمبر گھمایا۔ اب پی سی او سے فون کرنے میں تو خرچا....."

"یہ لو دو سو روپیہ' بس اپنی ڈیوٹی نہ بھولنا۔"

"یہ دو سو روپے فون کالز کے لیے تو بہت ہوں گے مگر بھابھی ماں! دراصل مجھے کچھ ذاتی ضرورت کے لیے بھی رقم چاہیے تھی۔ بھائی جان تو آپ کو بھی ترسا ترسا کے پیسے دیتے ہیں' مجھے بھلا جیب خرچ کیسے دیں گے اور ابو..... ان سے مانگنے کا تو میں سوچ بھی..... ارے ارے..... یہ تو مت لیں بھابھی!"

مہوش نے اس کے ہاتھ سے دو سو روپے واپس جھپٹے تو وہ ہڑبڑا گیا لیکن اگلے ہی لمحے اسے پرس سے پانچ سو کا نوٹ نکالتے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اب وہ کھانا لے جاتے ہوئے راستے میں سے قیمے کی ٹکیاں' تندوری نان بھی زائر کے مہمانوں کے لیے لے جا سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

زائر سے اس کی دوستی تقریباً" چھ سات سال پرانی تھی۔ دونوں کی پہلی ملاقات کالج میں اپنے پہلے دن ہوئی تھی۔ اگرچہ ان کے گروپ میں چند اور لڑکے بھی شامل تھے لیکن زائر واحد تھا جو اسے خندہ پیشانی سے جھیلتا تھا' اسی لیے ان کی دوستی کالج کے بعد تک برقرار تھی۔ دونوں نے کیمسٹری میں ایم ایس سی بھی اکٹھے کیا۔

اسی دور میں زائر ہاسٹل سے فلیٹ میں منتقل ہوا۔ ویسے بھی ہاسٹل اور اس متوسط درجے کے فلیٹ کے اخراجات تقریباً" برابر تھے۔ ہاں یہ سہولت تھی کہ وہاں ایک کمرہ دو اور لڑکوں کے ساتھ شیئر کرنا پڑتا تھا اور یہاں اس ایک کمرے پر مشتمل فلیٹ کا وہ واحد مکین ہونے جا رہا تھا۔ (اپنی دانست میں) اس کی اس خوش

احد نے اب زائر کی طرف جانا کم سے کم کر دیا۔ ویسے بھی صبح شام سننے جانے والے طعنوں سے بچنے کی خاطر اس کے فلیٹ میں پناہ لیا کرتا تھا۔ وہ بھی زیادہ تر زائر کی غیر موجودگی میں، مگر اب اسے زائر سے ملنے جانا ہوتا تو وہ شام کو جاتا۔ اس نے ایک بار جو احد پر اس کی ذاتی اشیاء کی تلاشی لینے کا الزام لگا دیا تھا اس سے خائف ہو کر اب وہ احتیاط ہی کیا کرتا۔

یہ الگ بات کہ گھر پہ سارا دن امی کی باتیں سنتے سنتے بھی اس کا حوصلہ جواب دے جاتا۔ وہ بہو، بیٹے اور شوہر سے ملنے والی ساری ٹینشن اور کڑواہٹ اس پہ انڈیل دیتیں اور وہ سر سے پیر تک زہر زہر ہو جاتا۔ اب اس نے امی کی باتوں کا اثر زائل کرنے کے لیے ان کے ساتھ ہلکے پھلکے انداز کی کھٹ مٹھی جھڑپیں کرنا بھی بند کر دیں۔ وہ اپنا غبار نکالتی رہتیں۔ یہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہتا البتہ دل کے اندر بے شمار سوال اور شکایتیں ڈنک مارتے رہتے۔

"امی! میں وہی احد ہوں جس کی شرارتوں پہ پردہ ڈالنے کی خاطر آپ ابو سے جھوٹ بول دیا کرتی تھیں، بھائی جان سے لڑائی میں آپ میری غلطی ہونے کے باوجود مجھے اپنی گود میں چھپا کر انہیں ہی ڈانٹا کرتی تھیں کہ کیوں چھوٹے بھائی کو ستاتے ہو۔ اسکول میں کسی سے جھگڑا ہوتا، کوئی ٹیچر سزا دیتی تو آپ فوراً جواب طلبی کے لیے وہاں پہنچ جاتیں۔ اور اب لگتا ہے سوائے پچھتاوے کے آپ کے پاس کچھ نہ رہا ہو۔ صرف چالیس پچاس روپے کے پیٹرول کی خاطر اور بھائی جان کو خوش کرنے کے لیے آپ ان سے بڑھ کر مجھے صلواتیں سناتی ہیں۔ وہ بھابھی جو آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتیں، صرف اور صرف ان کے بگڑے مزاج کے ڈر سے آپ اپنے لاڈلے بیٹے کو ان کی خدمت میں ہر وقت پیش کیے رہتی ہیں۔ مجھے ذلیل کرنے کو آپ کا یہ ایک فقرہ ہی کافی ہوتا ہے۔

"ارے جس بھائی کی کمائی پہ پل رہا ہے، اس کی بری بھلی چپ کر کے سن لینے میں کوئی حرج نہیں۔ میں بھی تو سب سہہ رہی ہوں۔ تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔ اتنی اکڑ ہے تو اپنا کماؤ بچاتا بھی ہے۔"

مگر یہ سب باتیں وہ ان سے کہہ نہیں پاتا تھا اس لیے کہ وہ ٹھیک ہی تو کہتی تھیں کہ اتنی اکڑ ہے تو کماؤ پھر وہ کس بل بوتے پہ ان سے گلے شکوے کرتا۔

✲ ✲ ✲

ضویا نے خوب اچھی طرح چادر اوڑھی اور پرس اٹھا کر احتشام کے پیچھے نکلی۔ کتنی منتوں کے بعد راضی کیا تھا اسے نورین کی طرف لے جانے پر۔ حالانکہ نورین نہ صرف اس کی بچپن کی دوست تھی بلکہ ایک طرح سے ان میں رشتے داری بھی تھی، لیکن ایک ہی محلے میں رہنے کی وجہ سے دونوں گھرانوں میں خاصا آنا جانا تھا۔ اس کے باوجود وہ آزادانہ طور پہ اس کے ہاں نہیں جا سکتی تھی۔

نورین تو پھر بھی کبھی کبھار آ جاتی۔ کبھی اپنے ہاتھ کا کچھ پکا ہوا دینے کے لیے، کبھی کوئی میگزین یا کتاب مانگنے کی خاطر مگر ضویا پہ بھائیوں کی جانب سے زیادہ سختی تھی۔

وہ تھے بھی ایک سے بڑھ کے ایک تند خو۔ انضمام، سہام اور احتشام۔ تینوں ضویا سے بڑے تھے۔ بڑے بھیا انضمام شادی شدہ تھے اور اپنی بیوی کو انہوں نے بہن سے بھی زیادہ کس کے رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ ایک تو خاندان سے باہر کی تھی، دوسرا کالج سے انٹر بھی کر رکھا تھا۔ کچھ فطرتاً "شوخ مزاج" واقع ہوئی تھی مگر شادی کے ڈیڑھ ہی سال بعد بے چاری کی ساری شوخی اور مسکراہٹیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ انضمام بھیا کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ ان کی بیوی ان کے چھوٹے بھائیوں سے مخاطب ہو۔ گھر میں ہر وقت کا آمنا سامنا تھا اس لیے بے چاری منہ سیے رہتی۔ اب تو اتنی خوفزدہ رہتی تھی کہ ضویا سے بھی بات کرنے میں ہچکچاتی۔

ایک تلخ واقعے نے اس کے اور ضویا کے درمیان فاصلے پیدا کر دیے تھے۔ شادی کے بعد ابتدائی دنوں میں اس نے یونہی باتوں باتوں میں ضویا کو مشورہ د

ہاتھ آجائے سہی۔ ساری ڈھیل ایک ہی جھٹکے میں کھینچ لوں گا' ہڈ حرام کی۔"

"بس کیجیے' جانے بھی دیجیے۔" انہیں بہو کا مزے لے لے کر یہ ساری گفتگو سننا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ماں ہونے کے ناتے وہ خود احد کی اس طویل بے روزگاری سے گھبرا کر تلخ ضرور ہوجایا کرتی تھیں' مگر یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی دوسرا اس پہ انگلی اٹھائے۔ چاہے وہ دوسرا احد کا سگا باپ ہی کیوں نہ ہو۔

"بچہ ہے' خود بھی پریشان رہتا ہے' اس لیے جھنجلاہٹ میں ذرا تلخ ہوگیا ورنہ...... آپ تو جانتے ہی ہیں بچپن سے حساس ہے۔"

"ایسی کی تیسی اس کی حساسیت کی۔ بے حس ہے بلکہ بے غیرت بھی۔ سنا نہیں کیسے طعنہ دے گیا۔ کہہ دیتا اس سے کہ بھلے لاکھوں کمانے کے لائق ہوجائے' ہم پہ بے شک ایک دھیلا نہ خرچ کرے مگر صرف اور صرف اپنی ذات کی حد تک خود کفیل ہوجائے۔ کسی اور کے لیے نہ سہی' اپنے لیے کچھ کرنے کے قابل ہوجائے۔"

"کوشش کرتو رہا ہے۔ اتوار کے اتوار اخبار سے کتنے ہی ایڈریس نوٹ کرتا ہے۔ بلاناغہ کہیں نہ کہیں انٹرویو دینے جاتا ہے۔ اب اللہ کی طرف سے ہی کہیں بات نہیں بنتی تو وہ بے چارہ کیا کرے۔"

"استغفار...... اللہ کی طرف سے بات کیوں نہ بنے گی۔ اللہ نے یہ تو نہیں کہا کہ صرف اونچی اونچی پوسٹ کے لیے درخواست بھیجو' اعلا عہدوں کی آس لگاؤ۔ میرے کہنے پہ تعلیم میں دلچسپی لی ہوتی تو شاید اونچے عہدے پہ فائز ہونے یا اچھی ملازمت ملنے کی خواہش بھی پوری ہوجاتی۔ خالی ایم اے یا ایم ایس سی کی ڈگری کے ساتھ یہ ڈھونڈتا ایسی نوکری ہے' جو نہ صرف اسے بغیر تجربے' رشوت اور سفارش کے ہاتھوں ہاتھ لیں بلکہ تنخواہ بھی کم از کم پندرہ بیس ہزار سے شروع کریں۔ ایسی ہی سوچ رہی تو کرچکا ملازمت کرنے والے بندے کے لیے سو کام ہیں اور نہ کرنے والے کے لیے سو الزام...... جو وہ کبھی قدرت پہ دھرتا ہے اور کبھی ماں باپ پہ۔"

اپنے کمرے کے بند دروازے کے پار دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا احد نہ چاہتے ہوئے بھی ابو کا یہ طویل اور اشتعال انگیز بیان سننے پر مجبور تھا۔ اس کا گرم لہو اچانک ابلنے لگا۔

☼ ☼ ☼

آج کافی دنوں کے بعد احد نے دن کے وقت زائر کے فلیٹ کا رخ کیا تھا۔ کل ہونے والی تلخ کلامی کے بعد وہ امی سے شرمندہ اور کھنچا کھنچا سا تھا۔ اور ابو' ان کا تو وہ سامنا تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ایک بار انہیں کسی بات پہ غصہ آجائے تو جب تک وہ دل کی ساری بھڑاس متعلقہ فرد پہ نکال نہ لیتے' انہیں چین نہیں آتا تھا اور کل تو احد نے انہیں اس کا موقع دیے بغیر فرار اختیار کرلیا تھا۔

زائر تو یقیناً اس وقت کلاس لے رہا ہوگا مگر خلاف توقع شیر علی بھی فلیٹ پہ موجود تھا۔ جیسی مایوسی احد کو اسے وہاں پاکر ہوئی تھی' ٹھیک ویسے ہی تاثرات شیر علی کے چہرے پہ بھی اسے دیکھ کر نمودار ہوئے۔

مروتاً" اس نے احد کو ناشتے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ نان پائے' کشمیری چائے اور پنجیری جیسے لوازمات دیکھ کر احد اس اکڑ کا مظاہرہ نہ کرسکا جیسا کہ گھر میں کرکے آیا تھا۔ اس نے سنہری تلوں والا نان شکریے کے ساتھ شیر علی کے ہاتھ سے تھاما شوربے میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگا۔

"یہ انڈے کچھ زیادہ ہی سخت ابل گئے ہیں۔ دراصل مجھے وقت کا اندازہ نہیں تھا۔ مجھ سے تو کھائے نہیں گئے' کیونکہ میں ہاف بوائل کھانے کا عادی ہوں۔ اگر تم نے کھانے ہیں تو کھالو۔"

اس نے دو ابلے انڈے بھی آگے کھسکائے۔

"یہ پنجیری بھی بس ختم ہونے کو ہے۔ بڑی مزے دار چیز ہے۔ اس بار گھر گیا تو اور زیادہ لے کر آؤں گا۔"

"تم جب بھی سیالکوٹ جاتے ہو' کھانے پینے کی چیزوں سے لدے واپس آتے ہو' لگتا ہے تمہیں

کھانے پینے کا خاص شوق ہے۔" احد کو یاد آیا کہ اس بار بھی وہ پنجیری کے علاوہ لڈو' بالوشاہی' حلوہ اور دال کی پنی ساتھ لے کر آیا تھا۔

"ہاں' کھانے کا بھی اور...... پینے کا بھی۔" اس نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ احد کچھ کچھ سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھا۔ شاید وہ شیر علی کی جانب سے اتنے بے تکلفانہ اور کھلے ڈلے اعتراف کی توقع نہ کررہا تھا۔

"اور میں صرف وہاں سے آتے ہوئے ہی نہیں لدا پھندا ہوتا بلکہ جاتے ہوئے بھی تقریباً" آدھا لاہور خرید کرلے جاتا ہوں۔ اس بار تقریباً" پندرہ ہزار کی شاپنگ تو میں نے اپنی سیالکوٹ والی معشوقاؤں کے لیے کی۔"

"یار...... سنا ہے وہاں تمہاری ایک...... میرا مطلب زائر سے پتا چلا تھا تم خیر سے منگنی شدہ ہو۔" احد نے کچھ ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' پیدائشی منگنی شدہ۔" آج اس کا موڈ ضرورت سے زیادہ اچھا تھا' اسی لیے بلاوجہ قہقہے ابل رہے تھے۔

"میری فرسٹ کزن ہے اور پتا ہے' میں اس کا شوہر اس وقت بھی کہلاتا تھا جب وہ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یعنی میری پیدائش کے کچھ عرصے بعد ہی میری اماں نے اپنی بہن سے کہہ دیا تھا کہ اب تمہاری جو بھی بیٹی ہوگی وہ میرے شیرو کی دلہن ہوگی اور مجھے اپنی دلہن کے پیدا ہونے کا تقریباً" دس سال تک انتظار کرنا پڑا۔"

"اوہ' تو تم دونوں کے درمیان اتنا ایج ڈفرنس ہے۔"

"ہاں اور ٹھیک ہی ہے ایک طرح سے۔ پہلے مجھے بھی عجیب لگتا تھا' جب نئی نئی جوانی چڑھی تھی۔ یہی کوئی پندرہ سولہ سال کی عمر میں خود بخود ہی دل عاشقی معشوقی کو چاہتا تھا اور تب اپنی اس ڈیڑھ فٹ کی چھ سالہ منگیتر پہ سخت تاؤ آتا تھا کہ اس دودھ پیتی بچی سے کیا پیار کیا جائے۔ مجبوراً" ادھر ادھر منہ ماری کرنا پڑی' مگر اس بار اتنے سالوں بعد جب غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ بچی پہ تو بہار آگئی ہے۔"

اس کے لوفرانہ انداز میں کہنے پر احد جھینپ گیا۔ اسے شیر علی کی زبانی اپنی منگیتر جو کہ خالہ زاد بھی تھی' کا ذکر اس طرح سننا بھی معیوب سا لگ رہا تھا مگر اسے یہ ذکر چٹخارے لے لے کر کرتے ہوئے غیرت نہیں آرہی تھی۔

"اور چھوٹی عمر کی بیوی ذرا رعب میں رہتی ہے۔ میں تو پچھلے دو سالوں سے اماں پہ زور ڈال رہا ہوں کہ اب اسے رخصت کرالائیں' مگر وہ پہلے میری دونوں باجیوں کو ٹھکانے لگانے کے چکر میں تھیں۔ اب ایک کی شادی تو کچھ مہینے پہلے ہوگئی ہے' دوسری کی بات بھی چل رہی ہے۔ میں تو اماں سے کہہ آیا ہوں' اس کے ساتھ ہی میری تاریخ بھی پکی کردیں۔ اب نہ انتظار ہوتا ہے' نہ صبر۔ وہ چیز بھی تو ایسی بنتی جارہی ہے کہ کیا بتاؤں۔ اوپر سے بھولی بھالی اتنی کہ حد نہیں۔ یار احد! ایک بات بتاؤں۔ لڑکی اگر حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بھولی بلکہ قدرے احمق بھی ہو تو گزارا اچھا ہوتا ہے' ورنہ یہ چلتر قسم کی لڑکیاں' میرا تو ان کے ساتھ گھنٹہ بھی مشکل سے گزرتا ہے۔ چالاکی سے ہینڈل کرنا چاہو' قابو نہیں آتیں پھر جھوٹ فوراً" پکڑ لیتی ہیں اور ہر خطرے کو پہلے بھانپ لیتی ہیں جبکہ میری نورین ایسی نہیں۔ اس کے نزدیک میں دیوتا ہوں۔ میری ہر بات پہ آنکھ بند کرکے اعتبار کرتی ہے۔ جو میں کہوں' اس پہ ایمان لے آتی ہے۔"

"اگر تم اسے اتنا ہی پسند کرتے ہو اور وہ تم سے اس حد تک مخلص اور سنجیدہ ہے تو پھر ادھر ادھر بے کار لڑکیوں سے کیوں فلرٹ کرتے رہتے ہو۔ کیوں اس کے اعتماد کو دھوکا دیتے ہو۔"

"ہاں' وہ مجھے پسند ہے...... مگر اپنی بیوی بنانے کے لیے۔ یعنی ایک آئیڈیل بیوی میں جو جو خصوصیات ہونی چاہئیں' وہ ان پہ صدفیصد پورا اترتی ہے۔ خوبصورت بھی ہے' تھوڑی بہت پڑھی لکھی بھی' خاندان بھی ہم پلہ ہے' گھریلو مزاج اور سگھڑ بھی۔ ساتھ ساتھ مجھے چاہتی بھی ہے اور میری مانتی بھی ہے اور کیا چاہیے' کم از کم ایک شوہر کو کیا چاہیے' مگر ایک

مرد کو اور بہت کچھ چاہیے۔" اس نے "مرد" پہ زور دیتے ہوئے آنکھ مار کر کہا۔

اس کے ماہرانہ اور تجربہ کار بیان پہ ہمیشہ کی طرح احمد منہ کھول کر بیٹھا رہ گیا۔ وہ ہر بار حیران رہ جاتا تھا کہ بونگا سا نظر آنے والا یہ پینڈو آخر اس موضوع پہ اتنا گہرا مشاہدہ اور مدلل تقریریں کیسے کرلیتا ہے۔ اس کا اپنا حال تو یہ تھا کہ عمر کے ستائیسویں سال میں لگنے کے باوجود ریکارڈ میں کوئی قابل ذکر معاشقہ موجود نہیں تھا۔

محدود سے جیب خرچ میں اپنے اخراجات مشکل سے پورے ہوتے تھے۔ کسی لڑکی سے دوستی کیا کرتا۔ ہاں کبھی کبھار دوستوں کے ٹولے کے ساتھ مل کر مارکیٹ' پارک یا کسی فن فیئر میں شوخ بولڈ لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ ضرور ہو جایا کرتی تھی۔ وہ بھی اس صورت میں کہ اگر لڑکیاں خود رسپانس دے رہی ہوں' ورنہ اس کی طرح اس کے دوست بھی بزدلانہ حد تک شریف تھے۔ باپ کی جوتی کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی سینڈلوں سے بھی خوف زدہ رہنے والے۔

پھر جب سے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی وبا پھیلی' تب سے وہ آزادانہ لڑکیوں سے دوستی کرنے لگا کہ چھترول ہونے کا خطرہ کم تھا' البتہ یہ اندیشہ زیادہ تھا کہ جسے لڑکی سمجھ کر باتوں سے بہلا رہا ہے' وہ کہیں کوئی "مچھڑ" نہ نکل آئے۔ ایک بار اس کے ساتھ ایسا ہی ہو چکا تھا۔

اب بھی وہ ناشتے اور چائے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اس مشغلے میں مگن ہو گیا۔ شیر علی ایک بار پھر دیوار گیر آئینے کی جانب متوجہ تھا جس سے احد کو گمان ہوا کہ وہ بس نکلنے ہی والا ہو گا لیکن اس کے برعکس اس نے ہیر برش اپنے موٹے کھردرے اور شانوں تک بڑھے بالوں میں چلاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم کیا کسی خاص کام سے ادھر آئے تھے؟" احد کے چونکنے اور پھر خجل ہونے پہ اس نے وضاحت کی۔

"میرا مقصد ہے کہ اگر تو تم صرف اپنی ای میلز چیک کرنے آئے ہو تو یار ذرا جلدی انگلیاں چلاؤ اور دس منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔ میرے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔"

کمرہ واقعی ایک تھا۔ اگر دو لوگ اور آجائیں تو بیٹھنے کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ ویسے بھی شیر علی کے مہمانوں سے احد کا کیا تعلق تھا۔ اسے چلے ہی جانا چاہیے تھا لیکن یہی بات اگر وہ ذرا سلیقے سے کہتا تو احد کو برا نہ لگتا۔ اس نے یہ بات اس بدتہذیبی سے کہی کہ اس کا دماغ گھوم گیا۔ یہ فلیٹ اس کے عزیز ترین دوست زائر کا تھا' جس نے اسے مکمل استحقاق دے رکھا تھا پھر یہ شیر علی کون ہوتا تھا' یوں چٹکی بجا کر اسے "چلتے پھرتے" نظر آنے کا حکم جاری کرنے والا۔ اس نے اپنی برہمی چھپانے کی کوشش نہ کی۔ پہلے ہی گھر سے جلا بھنا آرہا تھا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا' تمہارے مہمان آرہے ہیں' تو یہ تمہارا دردسر ہے' میں کیا کروں۔ جب زائر کو کوئی اعتراض نہیں کہ میں کب یہاں آتا ہوں اور کتنی دیر تک رکتا ہوں۔ کیا کرتا ہوں تو تم کون ہوتے ہو مجھے یہاں سے نکالنے والے اور وہ بھی زائر کی غیر موجودگی میں۔ ویسے بھی شیر علی صاحب! آپ بھول رہے ہیں کہ آپ اس فلیٹ کے مالک نہیں بلکہ خود بھی ایک مہمان ہیں۔" اس نے چبا چبا کر جتایا۔

"تم تو ناراض ہو گئے یار! اپنا تو اسٹائل ہی سالا ایسا کھلا ڈلا ہے۔ لوگ دل پہ لے لیتے ہیں۔" اس نے بھونڈا سا قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے شانے پہ دھپ ماری۔

"تو تو جگر ہے اپنا' حالانکہ زائر بچپن کا ساتھی اور رشتے کا بھائی ہے مگر مزاج میل نہیں کھاتا ہم دونوں کا۔ جبکہ تم اپنے کو کام کی چیز لگا' سوچا تھا یاری خوب نبھے گی مگر تم اکھڑے اکھڑے رہتے ہو' یاری کیا خاک کرو گے۔ ارے یار! کرلو' فائدے میں رہو گے۔ شیر علی یاروں کا یار ہے۔ اس وقت بھی تمہیں جگری یار سمجھ کر بے تکلفی سے کہہ دیا کہ کچھ دیر کے لئے فلیٹ سے چلے جاؤ۔"

"اگر دوست سمجھتے تو ایسا نہ کہتے۔" اس کی چکنی چپڑی باتوں کا ذرا اثر نہ لیتے ہوئے احد نے روٹھے ہوئے انداز میں کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کردیا۔

"اچھا یار! تو اپنا یہ شغل تو پورا کر لے پھر نہ کہنا کہ شیر علی نے کھیلنے نہیں دیا۔"

"میں چیٹنگ کر رہا تھا، کوئی گیم لگا کر نہیں بیٹھا تھا... کھیلنے نہیں دیا۔" احد نے منہ بگاڑ کر اس کے لہجے کی نقل اتاری۔ وہ زور سے ہنس پڑا۔

"ہاں تو یہ اور کیا ہے۔ کھیل ہی تو ہے۔ مزا تو جب ہے کہ مردوں کی طرح میدان میں اتر کر شکار تلاش کرو۔ جو مزا "شکار" میں ہے، وہ "کھیل" میں کہاں لیکن شکاری بننے کے لیے جگرا چاہیے جگرا۔ خیر تم یہ سب نہیں سمجھو گے۔ تم تو ابھی بھی یہ نہیں سمجھ پا رہے کہ میں تمہیں یہاں سے جانے کے لیے کیوں کہہ رہا ہوں۔ ارے یار! میرے آنے والے مہمان کوئی ایسے ویسے مہمان نہیں، بڑے شرمیلے اور نخریلے مہمان ہیں۔" اس نے آنکھ دبائی تو احد کچھ کچھ بھانپ گیا مگر تصدیق کے لیے پوچھنے لگا۔

"کوئی گرل فرینڈ...؟"

"ہاں، ایک گرل فرینڈ اور تین اس کی فرینڈز۔ پنکی کی آج برتھ ڈے ہے۔ میں یہیں اسی فلیٹ میں سیلیبریٹ کر رہا ہوں۔ اس کی تین کالج فرینڈز بھی اس کے ساتھ ہوں گی۔ میں نے کیک بیکری سے منگا لیا ہے۔ ڈیڑھ لیٹر کی پیپسی اور ایک لیٹر کی آئس کریم کا بھی۔ کچھ دیر ٹھہر کے پزا بھی آرڈر کر دوں گا۔ پنکی کے لیے میں نے بڑا زبردست سا گفٹ بھی لیا ہے۔ ایک خوبصورت گولڈ نیکلس۔"

"اور اتنا خرچا کرنے کا تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟ اسے تم شکار کہہ رہے ہو۔ احمق انسان! تم خود شکار ہو رہے ہو ان لڑکیوں کے ہاتھوں۔ یہ تمہارا سیالکوٹ نہیں ہے، لاہور ہے۔ یہاں کی لڑکیوں کو تم آسان مت سمجھو۔ میری جان! اب یہی دیکھ لو کیک تمہارا، گفٹ تمہارا، لنچ تمہارا۔ وہ چالاکو تو آسانی سے برتھ ڈے بھی منا گئی، گفٹ بھی سمیٹ گئی اور تمہارے ہی پلے سے اپنی تین دوستوں کو بھی عیش کرا گئی۔ تمہیں بھلا کیا ملا؟"

"احمق میں نہیں تم ہو یار! چار چار حسین لڑکیوں کی کمپنی ملے گی اور بھلا کیا چاہیے۔ تم بیک وقت دو لڑکیاں گھیر کے دکھا دو... چلو ایک ہی لا کے دکھا دو۔"

وہ یوں چیلنج کر رہا تھا جیسے بہت بڑا کارنامہ انجام دینے والا ہو۔ احد کو اس کی اس خود ساختہ بڑائی پہ ہنسی آ گئی۔

"تسی گریٹ ہو شیرو پاء جی!" اس نے مسخرے پن سے دونوں ہتھیلیاں جوڑ کے ماتھے سے لگاتے ہوئے اس کے آگے جھک کے کہا۔

"یہ آپ کا ہی ٹیلنٹ ہے، آپ کو ہی مبارک ہو۔ آپ ہی ایسے عظیم میڈل اپنی چوڑی چھاتی پہ ٹانک کر اپنے خاندان کا نام روشن کریں۔ ہم جیسے خاکسار آپ کی دھول کو بھی نہیں پا سکتے۔"

"تم مذاق اڑا رہے ہو۔" اتنی کھلی بے عزتی پہ بھی وہ کچھ مشکوک سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ دل ہی دل میں اس کی کوڑھ مغزی پہ ماتم کرتے ہوئے احد نے اس کی خوش فہمی کا بھرم رکھا۔

"میں اور تمہارا مذاق...؟ توبہ کرو، میں تو صدق دل سے تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف کر رہا ہوں۔ اچھا بھئی! تم اپنے قابل قدر اور عزت مآب مہمانان گرامی کے استقبال کی تیاریاں کرو، میں چلتا ہوں۔"

"ارے بیٹھو یار! اب تو تم جان ہی گئے کہ کون آ رہا ہے پھر تم سے کیا پردہ۔ چلو آؤ، تمہیں بھی کچھ "وٹے" عیش کرا دیں۔ بیٹھو، اب آئے ہو تو برتھ ڈے کا کیک کھا کر ہی جانا۔"

"نہیں یار! مناسب نہیں لگتا۔"

"کم آن۔ پارٹی میں دے رہا ہوں، میری مرضی کسے انوائٹ کرتا ہے، کسے نہیں۔" وہ شاید احد کو پورا پورا مرعوب کرنا چاہتا تھا... اسی لیے اتنا اصرار کر رہا تھا۔ احد کو اندازہ تھا اس کی نیت کا اسی لیے نہ مانا۔

"میرا کیا دماغ خراب ہے جو چار چار لڑکیوں کو تم پہ واری صدقے ہوتا دیکھ کر اپنا کلیجہ دھواں کروں۔" اس کے کسی اصرار کو خاطر میں نہ لا کر وہاں سے فرار ہو گیا۔

گھر سے وہ جس موڈ سے نکلا تھا، اس کے بعد دوبارہ اتنی جلدی وہاں جانے کا تو بالکل دل نہیں کر رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ زائر سے ملنے کیمپس کی طرف آ نکلا۔

"تم یہاں کتابوں میں سر کھپا رہے ہو، وہاں تمہارے ویرانے میں چپکے سے بہار بلکہ بہاریں اتری ہوئی ہیں... ایک یا دو نہیں، اکٹھی چار بہاریں۔" اسے حسب توقع لائبریری میں بیٹھا دیکھ کر احد نے شوشہ چھوڑا۔

"پاء جی آئے ہیں کیا؟"

"رہا نا میرا یار گاؤدی کا گاؤدی۔" احد کو اس کے اس اندازے پہ سخت تاؤ آیا۔

"تمہارے تصور کی گڈی بس پاء جی تک ہی اڑ سکتی ہے۔ کہتے ہیں جوانی گدھے پہ بھی آتی ہے۔ پر لگتا ہے تم پہ گدھے سے بھی گئی گزری جوانی آئی ہے۔ کسی لطیف جذبے، کسی کھٹی میٹھی کسک، کسی رنگین تصور کا گزر ہی نہیں۔"

"تم اپنی یہ بے سروپا باتیں لے کر میرے پیچھے یونیورسٹی تک آ پہنچے۔ میری جوانی پہ لعنت بھیجو، اپنے آنے کا مقصد بیان کرو۔"

"اپنی جوانی پہ تم خود ہی لعنت بھیج رہے ہو، ایسا نادر موقع گنوا کر۔ اس وقت تمہیں اپنے فلیٹ پہ ہونا چاہیے تھا۔ وہاں رنگ و نور کا سیلاب اترا ہوا ہے۔ برتھ ڈے پارٹی، چاکلیٹ کیک، حسن کے چنچل اشارے۔" وہ چٹخارے لینے لگا۔

"کہیں اپنے فلیٹ پہ کوئی شوٹنگ تو نہیں ہو رہی۔" وہ اب بھی نہ سمجھا تو احد نے صاف الفاظ میں بتایا۔

"او بھولے بادشاہ، تمہارا وہ "گرائیں" (ہم وطن) تمہاری ہی راجدھانی میں ذاتی جشن منا رہا ہے اور وہ بھی خاصے قابل اعتراض قسم کا۔ جس فلیٹ کے ٹیرس تک کھڑے ہونے پہ تم اپنے اس معصوم فطرت اور ان دا "بے ضرر دوست" کو سو سو باتیں سنایا کرتے تھے اسی فلیٹ میں تمہارا وہ کزن، وہ دوست چار چار لڑکیوں کے جھرمٹ میں راجہ اندر بنا بیٹھا ہے۔"

"لڑکیاں...؟ اور وہ بھی میرے فلیٹ پہ، پہلے تو شیر علی نے کبھی ایسا نہیں کیا۔"

"یوں کہو پہلے تمہیں کبھی پتا نہیں چلا۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ اس تگڑی جیب والے شاہ خرچ نے ہاسٹل میں رہنے کے بجائے اس فلیٹ کا انتخاب کیوں کیا۔"

"یار! تم نے یہ لڑکیوں والی بات بتا کے مجھے پریشان کر ڈالا ہے، میری ریپوٹیشن کا سوال ہے۔ تمہیں تو پتا ہے آج کل چھڑے چھانٹ لوگوں کو اچھے علاقے میں رہائش ملتی ہی کہاں ہے۔ ایسے میں اگر شیر علی نے یہ سرگرمیاں جاری رکھیں تو میرا یہ ٹھکانا ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔" وہ متفکر ہو گیا۔

"تمہیں اس سے بات کرنی چاہیے اور ایک بات اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اس طرح منہ اٹھا کر کسی بھی لڑکے سے اس کے فلیٹ میں تنہا ملنے کے لیے آنے والی لڑکیاں اچھی لڑکیاں تو ہو نہیں سکتیں۔ تمہارا فلیٹ بدنام ہو سکتا ہے۔"

"سچ سچ بتاؤ، تم جھوٹ تو نہیں بول رہے۔ شیر علی سے ویسے ہی تم خار کھاتے ہو۔ یہ نہ ہو کہ میں اس سے بھی بگاڑ لوں۔ چاچا جی اور پاء جی سے بھی میری چھترول ہو اور اصل میں ایسا کوئی چکر ہی نہ ہو۔" زائر نے ہر طرح سے تسلی کرنا چاہی مگر احد ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"ہر کسی کو میں ہی مشکوک نظر آتا ہوں۔ تم بھی دیدے سکوڑ کر مجھے ہی دیکھ رہے ہو۔ مجھے تمہارے اس پینڈو اور شودے کزن سے کیا لینا دینا۔ وہ جو مرضی کرتا پھرے، میری بلا سے بھاڑ میں جائے۔ مجھے ایسا لگا کہ اس کی ان حرکتوں سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے، اس لیے تمہیں آگاہ کرنے یہاں آ گیا۔ دماغ خراب تھا میرا۔"

زائر اسے پکارتا رہ گیا لیکن غصے میں اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنا گوارا نہ کیا۔

دوپہر کے تین بج چکے تھے۔ بہت خوار ہو لیا۔ بھوک بھی چمک اٹھی تھی، اسی لیے سیدھا گھر کا رخ کیا لیکن اندر داخل ہوتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ جب بھابھی کے پورے میکے کو وہاں براجمان

posted by kausar56 for one urdu

پایا۔ پورے گھر میں احسن بھائی کا سسرال دندنا رہا تھا۔ ڈرائنگ روم سے مہوش بھابھی کے ابا، تایا اور بڑے بھائی کے قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔ یقیناً احسن بھائی آج حق میزبانی ادا کرنے کے لیے آفس سے جلد آگئے ہوں گے۔

لاؤنج میں امی اپنی لحیم شحیم سمدھن کے ہمراہ بیٹھی ان کی لن ترانیوں پہ سر دھن رہی تھیں۔ وہ جب آتیں، اپنی صاحبزادی کے ایسے ایسے گنوں پہ قصیدے جھوم جھوم کے پڑھتیں، جواب تک اس گھر اور اس کے مکینوں پہ آشکار نہ ہوئے تھے۔ ان کے اس "مہوش نامہ" کے دوران ان کی اکلوتی بہو خشمگیں نگاہوں سے ساس کو گھورتی رہتی۔ اس وقت بھی مہوش بھابھی کی یہ سینک سلائی سی بھابھی عجیب طنزیہ انداز سے اپنی ساس کو بیٹی کی تعریفوں میں رطب اللسان دیکھ کر ہنکار رہی تھی۔ ان کے چار آفت بچے سیڑھیوں سے لٹکے کرتب دکھا رہے تھے۔

مہوش بھابھی کہیں نظر نہ آرہی تھیں۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف کھسکنے کو تھا کہ امی نے آواز دے کر بلا لیا۔ مجبوراً اسے آگے بڑھ کر سلام کرنا پڑا۔ پتا نہیں مہوش بھابھی اپنی والدہ محترمہ سے اس اکلوتے راج دلارے کا تعارف کن الفاظ میں کرائی رہتی تھیں کہ وہ ہمیشہ اس سے بڑا سنبھل کر ملتیں۔ اتنی زیادہ محتاط ہو کر کہ کبھی کبھار احد کا ہاتھ بے ساختہ اپنے سر کی جانب چلا جاتا کہ کہیں اس کے سر پہ سینگ تو نہیں جن کے مار بیٹھنے کا خطرہ ان خاتون کو ہو۔

ان کے برعکس بھابھی کی بھابھی اس سے خاصی خوش دلی سے ملتیں۔ یہ سینگ اسے تب سے نظر آنے شروع ہوئے تھے، جب سے احسن بھائی نے یہ انکشاف کیا تھا کہ ان کے سالے کی یہ نحیف و نزار سی بیوی اپنی اس بہن کے لیے احد پہ نظریں جما رہی ہے جو قطعی نحیف و نزار نہیں تھی۔ احد ان محترمہ کو کئی بار دیکھ چکا تھا، اس لیے اب بھی روکھے پھیکے سے انداز میں ان کی تمام تر گرم جوشی کا جواب دیا۔ اس کی بھوک سے بے تاب نظریں بار بار التجائیہ انداز میں امی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"مہوش کچن میں ہی ہے۔ جاؤ اس سے کہو، تمہیں کھانا نکال دے۔"

"اب آپ اپنے اس بیٹے کی شادی بھی کر ہی دیجیے۔ اس کے لیے کھانا گرم کرنے اور کپڑے استری کرنے کی ڈیوٹی ادا کرنے والی آجائے تو......"

انہیں شاید پسند نہ آیا کہ ان کی لاڈوں پلی اس سینگ والے کے لیے کھانا نکالے، اس لیے مشورہ پیش کیا مگر ساتھ ہی خود اعتراض بھی کر دیا۔

"لیکن پہلے یہ خود تو اپنے قابل ہو جائے۔ ایسے تو کوئی اپنی بیٹی کسی کے ہاتھ نہیں تھما دیتا۔ ہاں، اگر بیٹی کسی پہ بہت ہی "بھاری" ہو تو وہ الگ معاملہ ہے۔"

انہوں نے لفظ "بھاری" کو بھاری بھر کم طریقے سے ادا کرتے ہوئے اپنی بہو کو جتانے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ وہ پہلو بدل کے رہ گئی۔

"آنٹی! میری شادی ہو بھی گئی تو امی کا ہی کام دگنا ہو گا۔ ابھی تو ایک بہو کے حصے کے کام کرتی ہیں، کل دو بہوؤں کے لاڈ اٹھانے پڑیں گے۔ شادی کرنے سے کیا ہوتا ہے، بھائی نے بھی تو کی ہے۔"

اب پہلو بدلنے کی باری آنٹی جی کی تھی۔ امی گھبرا کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بری بات بیٹا! بڑوں کے ساتھ مذاق نہیں کرتے۔ چلو آؤ، میں خود تمہیں کھانا دیتی ہوں۔" ان کے لہجے میں جو دھمکیاں چھپی ہوئی تھیں، ان سے خوف زدہ ہو کر احد چپ چاپ ان کے پیچھے چل دیا۔

"بکواس کرنے سے باز نہ آنا تم۔ گھر آئے مہمانوں کا بھی لحاظ نہیں۔" انہوں نے پانی کا جگ اس کے سامنے لا پٹخا۔

"اب کچن میں مت آگھسنا تم اپنی بھابھی کی طرح نا۔ اس کے میکے سے کوئی آیا ہو تو اس کا مزاج کچھ بڑھ کر نازک ہو جاتا ہے۔"

مہمانوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ خاصا پر امید تھا کہ لنچ پر تکلف ہو گا۔ آخر مہمان بھی خاص الخاص تھے۔

"سالن وغیرہ کچھ نہیں بنایا۔"

"آلو گوشت بنا تھا۔ بوٹی تو اب بچی نہیں۔ خالی شوربے میں دو چار آلو ڈوبے پڑے ہوں گے۔ کہو تو لے آؤں۔ ویسے تو بغیر بوٹی کے تمہارے حلق سے سالن اترتا ہی نہیں۔"

"کمال ہے، آپ میرے لیے سالن بھی نہیں رکھ سکتی تھیں اور ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ احسن بھائی کے سسرال والے آئے ہوں اور آپ آلو گوشت کا شوربہ ان کی خدمت میں رکھیں۔ ویسے صاف صاف کہہ دیں کہ تمہارے لیے نہیں بچایا۔"

"آہستہ بولو۔ کیا سب کو سنانا ہے کہ کس قدر ندیدے اور ترسے ہوئے ہو۔ اب کسی کو پتا تھوڑا ہی تھا کہ یہ لوگ آرہے ہیں۔ عین کھانے کے وقت یہ پورا ٹبر اٹھ آیا۔ وہ تو مہوش نے احسن کو فون پہ بتا دیا اور وہ آفس سے گھر آتے ہوئے فرائی مچھلی اور روسٹ چکن وغیرہ لے آیا۔ اس کے باوجود گھر کا سالن بھی ختم ہو گیا۔ اب جو ہے، چپ کر کے کھا لو۔"

مچھلی اور چکن کا ذکر سن کر احد کے حلق میں روکھے چاول اور بھی پھنسنے لگے۔

"اپنے سسرالیوں کے ٹھسانے کے لیے احسن بھائی کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"اپنے پلے سے لاتا ہے۔ ہم تم اعتراض کرنے والے کون۔" امی دل سے چاہے احسن بھائی کی اس دوغلی پالیسی سے کتنی ہی نالاں کیوں نہ ہوں۔ احد کی ہاں میں ہاں کبھی نہیں ملاتی تھیں۔ یہ بات اسے اکثر مشتعل کر دیتی۔

"مجھے اعتراض کوئی نہیں۔ صرف حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔ آپ دن میں دو بار تو ضرور مجھ پہ میری تنخواہ کا رعب ڈالتی ہیں جبکہ اصل میں وہ جو اور جتنا بھی گھر کے خرچے کے لیے آپ کو دیتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ہی خرچ کرتے ہیں۔"

اس نے منہ پھلا کر پلیٹ پیچھے کر دی۔ امی کچھ اور کہتیں مگر ابو کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ ابو اپنی تیز نظروں سے احد کے سرخ چہرے، بیگم کے زچ انداز اور پلیٹ میں ٹھنڈے ہوتے چاولوں کو جوں کا توں پڑے دیکھ کر ماحول کی گرما گرمی کا اندازہ کر لیا۔

"رزق کو برے کرنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ تم اس میں کیڑے نکالو، رزق خود تمہیں کسی قابل نہ سمجھتے ہوئے تمہارے پاس نہ پھٹکے گا۔" وہ بغیر کسی کے بتائے معاملہ بھانپ گئے۔ "ڈرو اس وقت سے جب تم پیچھے پیچھے دیوانوں کی طرح بھاگو گے اور رزق آگے آگے۔"

احد کڑوی سی شکل بنا کر چپ چاپ پلیٹ اپنے آگے سرکانے پہ مجبور ہو گیا۔

"ابو کو تو اللہ موقع دے، ایسے دل خراش اور عبرت ناک واقعات کی دل دوز منظر کشی کرنے کا۔ بندے کے رونگٹے کھڑے کر دینے میں ماسٹر ہیں۔"

اس نے بے بس کر دینے والے غصے سے چمچ بھر کر منہ کے کچھ زیادہ ہی اندر ٹھونس لیا۔ پھندا لگتے لگتے رہ گیا۔ رہی سہی کسر امی نے ابو کے سامنے کھانا رکھ کے پوری کر دی۔ ٹرے میں چاول، رائتے، آلو شوربے کے ساتھ ساتھ مچھلی اور چکن کا ایک ایک پیس بھی رکھا تھا۔ اس نے جتاتی نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ کنی کتراتے ہوئے ابو کو کھانے کے لیے آواز دینے لگیں جو بیسن پہ ہاتھ دھو رہے تھے۔ اب ابو کی ڈانٹ ڈپٹ کا خوف بھی احد کو کھانا کھاتے رہنے پہ مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جھٹکے سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ امی وہیں امی کی کرسی پہ سر تھام کے بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا، پھر کچھ کہہ دیا صاحبزادے نے۔" ابو تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے ٹیبل تک آئے۔

"نہیں، اس نے بھلا کیا کہنا ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے چلا گیا۔"

"کیوں، کیا ہوا طبیعت کو۔ دن بھر تو بستر پہ ٹانگیں پسارے رکھتا ہے۔ شام ہوتے ہی باہر نکل جاتا ہے۔ موسم بھی خاصا سرد ہے، ضرور ٹھنڈ لگ گئی ہو گی۔" کہتے کہتے ان کی نظر کھانے پہ گئی۔

"گھر پہ کھانا نہیں پکا کیا۔ یہ بازار سے سامان کیوں آیا؟"

posted by kausar56 for one urdu

"بس اچانک ہی مہمان آگئے' اس لیے... آپ ملے نہیں؟"

"ابھی تو آیا ہوں' دم تو لے لینے دو۔ دے دیتا ہوں حاضری تمہارے لاڈلے کے مہمانوں کے حضور اور ہاں سنو' میرے پیٹ میں آج صبح سے کچھ گڑبڑ ہے۔ رات کا کھانا ہی ڈھنگ سے ہضم نہیں ہوا۔ میں صرف یہ چاول لوں گا' سادے دہی کے ساتھ۔ یہ باقی تم احد کو دے آؤ۔" انہوں نے اس کی چھوڑی پلیٹ کو دیکھ کر کہا۔

"کم از کم مچھلی تو چکھ لیں' آپ کو پسند ہے۔"

"پسند ہے تو کیا کھا کر بیمار ہو جاؤں۔ بتایا تو ہے کہ پیٹ ٹھیک نہیں۔"

وہ بگڑ کر بولے۔ امی چپ چاپ پلیٹ اٹھا کر احد کے کمرے کی طرف چلی آئیں۔ اتنے سالوں کا ساتھ تھا۔ اچھی طرح جان گئی تھیں کہ اچانک ان کے پیٹ میں درد کیوں شروع ہو گیا۔ احد کمرے میں نہیں تھا۔

"لو' ایک تو ان باپ بیٹے کو روٹھنے کی بیماری ہے۔ ابھی آیا تھا پھر گھر سے نکل گیا جلتے کڑھتے۔ پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے بیٹے کو۔ اتنا پیار کرنے والا' ہمدرد اور سادہ دل تھا۔ اب دیکھو تو ذرا... بھائی تو بھائی... بوڑھے باپ تک کو کھاتے پیتے نہ دیکھ سکا۔"

احد دیر تک سڑکوں پہ بے مقصد پھرتا رہا۔ پررونق بازاروں' مہنگے شاپنگ سینٹرز اور ٹریفک سے بھری شاہراہوں پہ ہنستے مسکراتے۔ زندگی کے ہر لمحے سے خوشیاں کشید کرتے چہروں کو کھوجتا رہا کہ شاید اسے بھی خوش رہنے کی کوئی وجہ مل جائے مگر ناکام رہا۔ دل پہ بوجھ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ ماں جس نے اتنے سالوں تک ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا' اسی ماں کا جھنجلایا ہوا رویہ وہ برداشت نہ کر پا رہا تھا۔ ابو کی ڈانٹ ڈپٹ تو خیر دیکھی بھالی چیز تھی۔ احسن بھائی سے دوستی بھی بس لڑکپن تک ہی رہی' پھر اچانک انہیں بڑا بننے کا شوق لاحق ہو گیا۔ پہلے جاب پھر شادی نے ان کے درمیان رہی سہی بے تکلفی اور اپنائیت بھی ختم کر ڈالی۔

کالج کے فرینڈز میں کوئی جاب اور کوئی بزنس میں لگ کر اس سے دور ہوتا گیا۔ سب کی توجہ اور محبت کا مرکز احد رفتہ رفتہ اکیلا پڑتا گیا۔ اس کے باوجود وہ اپنی امی سے اب بھی اس رویے کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

اس کے دل میں ہزاروں شکوے تھے' لاکھوں گلے... جو بے جا ہوتے ہوئے بھی کہیں کہیں جائز تھے۔ اس کے مزاج میں لاپروائی ضرور تھی' بے حسی نہیں۔ اگر اس کی لاپروائی کو ڈھنگ سے ٹوکا جاتا' ذمہ داریوں کا احساس دل میں اجاگر کیا جاتا تو شاید وہ یہ منفی سوچ نہ پالتا۔

☼ ☼ ☼

آج بھی ضویا کا موڈ خراب تھا۔ ابو کے چچازاد بھائی عرصہ دراز کے بعد ابوظہبی سے آئے تھے۔ ان کے ساتھ بیوی بچے بھی تھے۔ ابو نے سالوں پرانی دوستی اور رشتے کے حوالے سے انہیں اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دے دی۔ بارہ پندرہ روز تک کا پروگرام تھا۔ آنٹی کے میکے والے کوئٹہ میں تھے۔ یہاں سب سے ملاقات اور لاہور کی سیر کے بعد پوری فیملی کو کوئٹہ چلے جانا تھا لیکن ضویا کی جان ان چار پانچ دنوں میں ہی عذاب میں گھر گئی۔

انکل کے تین بچے تھے' دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ بیٹی خاصی چھوٹی تھی' چودہ پندرہ سال کی۔ دونوں بیٹے اوپر تلے کے تھے' سترہ اٹھارہ سال کی عمروں کے مگر صحت اچھی ہونے کی وجہ سے عمر سے ذرا بڑے بڑے ہی لگا کرتے۔ مصیبت یہ تھی کہ تینوں بہن بھائیوں کو بے تکلف ہونے کی بیماری تھی اور پورے گھر میں ایک وہی تھی جو انہیں ہر وقت دستیاب ملا کرتی' لیکن وہ اس بے تکلفی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اگرچہ عمران عمیر دونوں اس سے کچھ چھوٹے تھے مگر بھائیوں کی نظر میں یہ معمولی سا فرق ذرا اہمیت نہ رکھتا تھا۔ ان کے لمبے چوڑے تنومند وجود کے آگے وہ گڑیا سی ہی لگا کرتی' اسی لیے جس دن ان کی آمد ہوئی' بڑے بھیا نے اسے کمرے میں بلا کر صاف الفاظ میں حکم سنا دیا اسے ضرورتاً" یا بلاضرورت کسی بھی حالت میں ان

مہمانوں خصوصاً "لونڈوں" کے سامنے آنے کی قطعی ضرورت نہیں۔

"ابو کو نجانے کیا سوجھی' جوان بیٹی والے گھر میں ایسے مہمان لا کر بٹھا دیے۔ ان لونڈوں کو باہر کی ہوا لگی ہوئی ہے۔ ان کے دیدوں میں کہاں لحاظ اور شرم ہوگی۔"

ضویا نے تابعداری سے سر ہلاتے ہوئے دزدیدہ نگاہوں سے بھابھی کو دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ بھائی جان اس تاکید سے انہیں بھی فیض یاب کر چکے ہیں۔ ان کے چہرے کی جھنجلاہٹ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ ظاہر ہے کہ ضویا کے مقابلے میں وہ ان مہمان لڑکوں سے عمر میں چھ سات برس بڑی ہوں گی اور پھر ایک شادی شدہ عورت ہونے کے ناتے انہیں اس ہدایت سے مستثنیٰ قرار دے دینا چاہیے تھا۔

حسام بھیا نے بڑے بھیا سے چار قدم آگے بڑھ کر ضویا کو تاکید کی۔

"ہنسی ٹھٹھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھ رہا ہوں آج کل بلاوجہ تمہارے دانت نکلے رہتے ہیں۔ سامنے آنا ایک طرف' تمہاری آواز بھی میں اتنے دن گھر میں ابھرتے نہ سنوں اور اگر ان کے ہوتے ہوئے کمرے سے نکلنے کی غلطی کی تو ٹانگیں توڑ کے ہمیشہ کے لیے کمرے کا کر کے رکھ دوں گا۔"

وہ سہم گئی اور ساتھ ہی ساتھ پریشان بھی ہو گئی۔ گھر کے کاموں میں امی نے اسے کم عمری سے ہی لگا دیا تھا اور بہو کے آنے کے بعد بھی انہوں نے اسے کام کاج سے الگ نہیں کیا تھا۔ صرف صبح کے ناشتے اور روز مرہ کی صفائی کرنے کی وہ پابند نہ تھی کہ وہ وقت اس کا کالج کے لیے مختص تھا۔

اس قدر فعال ہوتے ہوئے وہ مہمانوں کی نظر سے کیسے رہ سکتی تھی۔

ابھی بھی منٹ منٹ بعد اسے آوازیں دے ڈالتے۔ حالانکہ ان کے سامنے جانے پر پابندی نہ تھی مگر وہ ... ہوتے' وہیں ان کے شوخ و شریر بیٹے بھی پر اجمان ہوتے۔ وہ بہانے بنا بنا کر تھک جاتی۔ کبھی کبھی آنٹی بھی زبردستی کر ڈالتیں تو بھیا کی خونخوار نظروں کی تپش خود پہ محسوس کر کے وہ اندر سے لرزتی رہتی۔

اس نے خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف کر لینے میں ہی عافیت جانی۔ سونے پہ سہاگا' آج کل کالج سے بھی چھٹیاں تھیں۔ رات دیر تک گھومنے پھرنے کی وجہ سے مہمان صبح دیر تک سوئے رہتے۔ وہ اپنے حصے کا ہر کام اس وقت کر لینے کی پوری کوشش کرتی۔ ان کے جاگنے سے پہلے پہلے وہ پڑھائی کا بہانہ کر کے کمرے میں بند ہو جاتی۔ شام ہونے تک وہ حسب معمول گھومنے پھرنے نکل جاتے۔ ہمیشہ ہی اسے بھی ساتھ لے جانے پہ پرزور اصرار ہوتا اور ہمیشہ ہی امتحانات کا بہانہ کام آتا۔ حالانکہ پیپر کب کے ہو چکے تھے اور یہ چھٹیاں دراصل رزلٹ سے پہلے ہونے والی چھٹیاں تھیں۔

وہ تو چاہنے کے باوجود اس پیاری سی لڑکی عینا سے بھی دوستی نہ کر سکی کہ وہ تینوں بہن بھائی ہمیشہ اکٹھے ہی پائے جاتے۔ ایک سا مزاج' ایک سے شوق' ایک سی دلچسپیاں تھیں تینوں کی۔ اس نے اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ان کی آوازیں سن سن کر یہ اندازہ لگایا تھا۔ احتشام آج کل سارا دن گھر پہ ہی پایا جاتا۔ ضویا کے خیال میں شاید اس کی وجہ ضویا پہ نظر رکھنا ہو' اسی لیے وہ اور بھی محتاط رہتی۔ شام ہوتے ہی احتشام اور حسام دونوں مہمانوں کے ساتھ ہی نکل جاتے۔

آج وہ حسب معمول ناشتے سے فارغ ہوتے ہی کچن میں آ گھسی۔ بھابھی کے میکے میں کسی نزدیکی عزیز کا انتقال ہو گیا تھا' وہ کل سے وہاں تھیں۔ امی بھی اسے کھانے سے متعلق ہدایت دے کر وہاں چلی گئیں۔

ضویا نے دبے الفاظ میں انہیں جلد واپس آنے کے لیے کہا۔ وہ بھی اس کی مشکل سمجھتی تھیں' اس لیے تسلی کرا گئیں کہ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک لوٹ آئیں گی۔ ویسے بھی ابھی پونے دس بجے تھے۔ وہ لوگ گیارہ ساڑھے گیارہ سے پہلے نہیں اٹھتے تھے۔ ناشتے کے بجائے چائے یا جوس پہ گزارا کر کے کچھ دیر بعد کھانا کھا

posted by kausar56 for one urdu

لیتے تھے۔ وہ وقت سے پہلے ہی کھانا پکا لینا چاہتی تھی کہ اچانک عینا کو کچن میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ پیاری سی لڑکی چہرے پہ معصوم سی پرجوش مسکراہٹ سجا کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ارے تم اتنی جلدی کیسے جاگ گئیں؟"

"میں تو کافی دیر سے جاگ رہی تھی مگر گھر میں خاموشی تھی۔ لگتا تھا یا تو کوئی گھر میں ہے نہیں یا سب سو رہے ہیں۔ کچن سے کچھ آوازیں آئیں تو دیکھنے چلی آئی۔"

"آؤ بیٹھو، تمہارے لیے ناشتہ بناؤں؟"

"آپ مصروف لگ رہی ہیں، میں خود ہی ناشتہ بنا لیتی ہوں۔ ایک انڈا ہی تو فرائی کرنا ہے اور ٹوسٹر میں بریڈ ڈالنی ہے۔"

اس نے تکلف کرنا چاہا مگر ضویا نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے بریڈ لے لی اور منٹوں میں اس کا مطلوبہ ناشتہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ وہیں کچن میں موجود پلاسٹک کی ٹیبل اور اس کے گرد رکھے دو اسٹول میں سے ایک پہ بیٹھ گئی۔

اس کے بعد اس نے ہلکے پھلکے انداز میں ضویا کے کمپنی نہ دینے کا گلہ بھی کیا جس کا اثر زائل کرنے کے لیے ضویا نے اسی وقت اس کے اکیلے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بات چیت کرنے کا ارادہ کر لیا۔

گھر کے باقی افراد کی غیر موجودگی کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد جب عینا نے احتشام کے بارے میں پوچھا تو ضویا حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔ احتشام اس سے بھی ڈیڑھ دو سال بڑا تھا اور یہ اتنی چھوٹی سی بچی عینا کتنی بے تکلفی سے اس کو احتشام کہہ کر پکار رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی حیرت پہ قابو پا کر اسے ٹوکتی۔ حسام کچن میں آ گیا۔ اس نے کمال بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عینا کی ننھی سی پونی ٹیل کھینچی۔

"تمہیں کیا رات بھر نیند نہیں آئی یا کسی شوق کے مارے جلدی اٹھ گئیں۔"

"نیند تو بہت اچھی آئی تھی مگر خواب بہت ڈراونا دیکھا۔ تمہاری بھیانک شکل نظر آئی اور میں جاگ گئی۔" عینا کا محظوظ انداز بتا رہا تھا کہ وہ ان بے تکلفیوں کی عادی تھی۔

"اچھا جی... ہماری بلی ہم ہی کو میاؤں۔" حسام نے اس کی پلیٹ میں بچا سلائس کا آخری لقمہ پھرتی سے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ عینا نے جھپٹنے کی پوری کوشش کی مگر وہ دوسری طرف جھک گیا۔ عینا اس پر گرتے گرتے بچی۔ ضویا اپنی ناگواری چھپا نہ سکی۔

"کیا بدتمیزی ہے حسام۔" جواباً اس نے بہن کو اس دخل اندازی پہ گھورا کہ وہ عینا کے سامنے جل ہو کے رہ گئی۔

"عینا! اپنی اور میری چائے لے کر چھت پہ آ جاؤ۔ تمہیں ایک مزے کی چیز دکھاتا ہوں۔"

اور وہ چائے جو ضویا نے اپنے اور اس کے لیے بنائی تھی، وہ دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر عینا اوپر لے گئی۔ ضویا تلخی سے سر جھٹک کے رہ گئی۔ یہ وہی حسام تھا جو گھر کے ماحول کے زیر اثر تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی ایسا ہو گیا تھا کہ اس کے دوست گھر آتے تو ضویا کو اندر جانے کا اشارہ کر دیتا۔ وہ کبھی کبھی تو ہنس پڑتی کہ ان ننھے بچوں سے بھلا اس کا کیا پردہ اور کبھی کبھی تو بین سے سلگ کر رہ جاتی کہ اس کا معصوم سا بھائی بھی اب اسے بچپن کی ساتھی کے بجائے صرف ایک 'جوان بہن' تصور کرنے لگا ہے اور یہی حسام اب عینا کے ساتھ کھلے عام چھت پہ پتنگ اڑانے جا رہا تھا جس نے ٹخنوں سے اونچا چست ٹراوزر پہن رکھا تھا۔ مختصر ڈھیلی سی لمبی شرٹ میں بھی اس کا نوخیز سراپا نمایاں تھا۔ دوپٹے سے قطعی بے نیاز وہ اس کے بھائیوں کے ساتھ ہمہ وقت خوش گپیوں میں مصروف رہتی جبکہ وہ اس سے بھی کہیں کم عمر تھی۔

"تمہارا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟" اس شام نورین اپنی امی کے ساتھ آئی تو اس سے پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں یار! ان مہمانوں نے زندگی عذاب کر رکھی ہے۔"

posted by kausar56 for one urdu kausar56 one urdu

اس نے منہ بنایا۔ امی وعدے کے باوجود دوپہر کے کھانے تک نہیں پہنچیں۔ مجبوراً اسے خود ہی سب کے درمیان آنا پڑا اور کھانا لگانا پڑا۔ حق میزبانی ادا کرتے ہوئے وہ خود بھی وہیں موجود رہی۔ اس دوران احتشام سخت ناگوار تاثرات لیے اسے دیکھتا رہا۔ کہہ کچھ نہیں سکتا تھا کہ اس کے یہاں آئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس دن عمر اور عمیر دونوں کا موڈ معمول سے زیادہ ہی خوشگوار تھا۔ اپنی مزاج کے مطابق بے فکری سے سب کو ہنسی مذاق کا نشانہ بناتے بناتے وقتاً فوقتاً اسے بھی موضوع گفتگو بنا لیتے۔ وہ گھبرا کر فق چہرے کے ساتھ احتشام کی جانب دیکھتی اور فوراً وہاں سے غائب ہو جاتی لیکن کچھ ہی دیر کے بعد کسی نہ کسی کام سے وہاں پھر طلب کر لیا جاتا۔

وہ اس وقت سویٹ ڈش سرو کر رہی تھی، جب سہام بھیا کی انٹری ہوئی... اور کیا غلط موقع پہ ہوئی۔ اس نے ٹرائفل کا باؤل انکل سامنے کیا تھا کہ عمیر نے چمچہ بجا کر ٹرائفل کا مطالبہ کیا۔ انکل کو ہنس کر اشارہ کرنے پہ مجبوراً اس نے وہیں کھڑے کھڑے بازو دراز کر کے باؤل وہاں تک پہنچانا چاہا۔ اس کوشش میں وہ ذرا سا لڑکھڑائی۔ اس کے سنبھلنے تک عمیر فقرہ چست کر چکا تھا۔

"ذرا دھیان سے... یہ نہ ہو کہ بجائے ٹرائفل کے آپ خود پوری کی پوری میری پلیٹ میں آن گریں۔"

اسی لمحے سہام بھیا اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے ضوبیا کی لڑکھڑاہٹ بھی دیکھی اور عمیر کا شوخ تبصرہ بھی سنا۔ انہوں نے اپنا طیش مہمانوں تک سے چھپانے کی کوشش نہ کی اور بغیر کسی لحاظ کے سب کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے پھر کچھ لمحے بعد وہی ہوا جس کی ضوبیا توقع کر رہی تھی۔ ان کی گرج دار آواز گونجی۔

"ضوبیا...!"

مرتی کیا نہ کرتی، اسے جانا ہی پڑا۔ پھر انہوں نے ضوبیا کی ایک بات تک سننے کی زحمت گوارا نہ کی اور بلاتکان اسے صلواتوں سے نوازا۔ اگر وقت پہ امی نہ آتیں تو پتا نہیں کب تک وہ ان کے سامنے گڑگڑا کر اپنی صفائیاں پیش کرنے کی کوشش کرتی رہتی۔

"تو، میں نے سمجھا پتا نہیں کیا بات ہو گئی۔ سہام بھائی کے ڈانٹنے میں بھلا ایسی نئی بات کیا ہے جو تم نے دل سے لگا لیا ہے اور رو رو کر آنکھیں سجالی ہیں۔" نورین نے سارا قصہ سننے کے بعد اطمینان سے کہا۔

"اچھا سنو، کیا ان مہمانوں میں کوئی شوخ دل ربا حسینہ بھی ہے؟"

"حسینہ...؟ انکل کی بیٹی ہے تو سہی... مگر تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"سارے محلے میں شور مچا ہوا ہے کہ "پنڈ وچ اک پروہنی آئی اے..." اور تم پوچھ رہی ہو مجھے کیسے خبر ہوئی ہے۔ یہ خبر خود تمہارے بھائیوں نے نشر کی ہے۔"

"کیا مطلب، عینا تو بہت چھوٹی سی بچی ہے۔ اپنے حسام سے بھی ڈیڑھ دو سال چھوٹی ہو گی۔ ابھی ابھی سب لوگ باہر نکلے ہیں، ورنہ میں تمہیں بھی ملواتی۔"

"ارے جانے دو، اتنی بھی بچی نہیں۔ ماڈرن دور اور ماڈرن ماحول کی پروردہ ہے اور بالفرض اگر اسے زمانے کی ہوا نہیں بھی لگی تو بی بی! ہمارے بھائی تو ساری ہوائیں لگا بھی چکے ہیں اور کھا بھی چکے ہیں۔ انہیں تم کیا سمجھتی ہو۔ کل میں نے خود تمہارے بھائی حسام کو ٹیپو سے کہتے سنا تھا کہ اس کے گھر آج کل ایک فریش پیس آیا ہوا ہے۔ دیکھنا ہے تو کل صبح چھت پہ چلے آنا۔"

(اس کا بھائی ٹیپو حسام کا ہم عمر تھا) اس ذکر پہ ضوبیا کا دھیان بھی فوراً صبح والے واقعے کی جانب چلا گیا، کس طرح حسام اصرار کے ساتھ عینا کو اوپر لے کر گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ عینا کی لاعلمی میں وہ اس کی بے تکلفی اور دوستی کا غلط فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"اس کا بہتر علم تو تمہیں ہو گا کہ تم عینا کو جانتی ہو گی۔ اب مجھے بھلا کیا پتا کہ یہ سب عینا کی لاعلمی میں ہو رہا ہے یا وہ واقعی ان سب میں شامل ہے۔"

"نہیں نورین! میرا یقین کرو، وہ واقعی بہت معصوم لڑکی ہے۔ بالکل اپنی عمر کے لحاظ سے بچپنا ہے اس کے اندر۔ ہاں، ہم دونوں سے وہ الگ ضرور ہے کیونکہ ہمارا بچپن تو بہت ابتدا میں ہی گھونٹ کر مار دیا گیا تھا۔ لیکن عینا کی پرورش اس بے اعتبار ماحول میں نہیں ہوئی۔ اس کے ماں باپ ابھی تک اسے ایک چودہ سالہ بچی کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔ انہوں نے اس خدشے میں گھر کر نہ تو اپنی راتوں کی نیندیں خراب کی ہوئی ہیں، نہ اس کی زندگی حرام کی ہوئی ہے کہ ان کی بچی کہیں ان کے منہ پہ کالک نہ مل دے۔ وہ دو بھائیوں کی اکلوتی ہے۔ زیادہ تر ان ہی کے ساتھ رہتی ہے۔ شاید اسی لیے احتشام اور حسام دونوں سے گھل مل گئی ہے۔ ویسے بھی وہ دونوں اس فیملی کی ہر تفریح میں ساتھ ہوتے ہیں۔ اکٹھے وقت گزارنے سے بے تکلفی تو ہو جاتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو کہ عینا اس سارے قصے سے انجان ہے مگر تمہارا بھائی حسام تو اسے دوستوں کے حلقے میں "گرل فرینڈ" کے طور پہ متعارف کرا رہا ہے۔ اس کے ساتھ پکنک اور آؤٹنگ میں گزارے وقت کو مرچ مسالے لگا کر چٹخارے کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ میں نے خود کئی بار اسے کہتے سنا ہے۔ ہو سکتا ہے احتشام بھی یہی سب کرتا ہو۔"

نورین کی اطلاع پہ اس کا دل بجھ سا گیا۔ ہر لڑکی کی طرح اس نے بھی باپ اور بھائیوں میں اپنے آئیڈیل تراش رکھے تھے۔ اب ان کی شخصیت کے یہ دوہرے رویے سامنے آنے پہ اس کی آزردگی فطری تھی۔ اسی سے بھی شکوے ہونے لگے کہ وہ اسے ہر وہ بات فوراً "ٹوک کر یاد دلا دیا کرتی تھیں، صرف اس لیے کہ نہیں اس بھول چوک کے ہاتھوں وہ بھائیوں کے زیر عتاب نہ آ جائے مگر اب وہی دور بین نگاہوں والی امی سب دیکھ کر بھی انجان بن رہی تھیں۔ وہ پہلے بھی عینا کے ساتھ اپنے بھائیوں کا مختلف رویہ اور عمر اور عمیر کے حوالے سے خود پہ پابندیوں کے معاملے پہ جھنجلائی ہوئی تھی۔ یہ جھنجلاہٹ اب رفتہ رفتہ غصے میں بدلنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ضوبیا! تم کیسی دوست ہو، میری اتنی سی مدد بھی نہیں کر سکتی ہو۔"

"مدد...؟ تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ میں نے تمہاری مدد کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ تمہارا ستیاناس ہونے سے بچایا ہے۔" ضوبیا سخت بھنائی ہوئی تھی، نورین کے اس مطالبے پہ وہ اس دن سے خوف زدہ رہتی تھی جب نورین کے گھر والے اس حقیقت سے باخبر ہوتے۔ اس کے بھائی ضوبیا کے بھائیوں سے بڑھ کر سخت تھے۔ بالکل جلاد صفت، مار پیٹ سے قطعی گریز نہ کرنے والے۔ اس کا جو حشر ہوتا اس کا تصور کر کے ہی ضوبیا کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔

نورین تو فی الحال عشق کے خمار میں نڈر بنی ہوئی تھی۔ ایک تیسری وجہ بھی تھی اسے ان حرکات سے باز رکھنے کی کوششیں کرتے رہنے کی اور وہ یہ کہ سب جانتے تھے، ان دونوں کی دوستی کے درمیان کوئی تیسری لڑکی نہیں۔ سالوں سے وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی ہمراز اور غم گسار ہیں۔ اگر نورین پکڑی گئی تو لامحالا ضوبیا کا زیر عتاب آنا بھی یقینی تھا۔ بڑے بھیا جو پہلے ہی لڑکیوں کا سہیلیاں بنانا اور دوستیاں گانٹھنا پسند نہیں کرتے، انہیں ضوبیا پر بگڑنے کا ایک اور جواز مل جاتا۔

جب سے شیر علی لاہور گیا تھا، اس معمول میں تواتر نہیں رہا تھا۔ مہینے میں ایک آدھ بار وہ آتا تو عموماً وہ ویک اینڈ ہوتا۔ کالج بند ہوتا تھا، اس لیے ملاقات کا موقع نہ ملتا۔ ایک آدھ بار وہ اپنی بھابھی یا باجی کے تعاون سے مل لی تھی مگر بقول اس کے شیرو نے خود ہی منع کر دیا کہ اس طرح ملنے میں خاک مزہ نہیں آتا۔ الٹا اس کی بہن کے ہاتھ اس کی کمزوری آ گئی اور وہ آنے بہانے رقمیں بٹورنے لگی تھی۔ یہ گلہ تو نورین کو بھی بھابھی سے تھا کہ صرف دو بار وہ اسے شیرو سے ملوانے کیا لے گئیں، اب اس پر رعب ہی تو جمانے لگی

posted by kausar56 for one urdu

تھیں۔

شیر علی کی تجویز پہ عمل کرنے کو کمربستہ تھی اور نہ صرف خود اتنا بڑا رسک لینے کے لیے تیار تھی بلکہ ضویا کو بھی کل سے مجبور کر رہی تھی کہ وہ اس میں اس کا ساتھ دے اور ضویا حیران تھی کہ اسے اچھی طرح جاننے کے باوجود نورین اس سے اس مدد کی توقع کیسے کر بیٹھی۔

اس سے پہلے اس نے زبانی کلامی مدد بھی نہ کی تھی کہ اس کی خاطر جھوٹ بولنے تک بھی تیار نہ ہوتی تھی۔ صاف کہہ دیتی کہ اگر تمہیں دیر ہوئی تو مجھ سے امید نہ رکھنا کہ کسی کے پوچھنے پہ میں کوئی بہانہ بنا کر تمہیں بچالوں گی۔

"دوستی کے لیے انسان کیا کچھ نہیں کر ڈالتا۔ تم اتنی سی مدد بھی نہیں کر سکتیں۔" اب نورین نے آنکھوں میں آنسو بھر کر دوستی کے واسطے دیے۔

"یہ اتنی سی مدد نہیں ہے۔ کیا تمہیں نہیں پتا کہ یہ بات کھل جانے پہ میرا کیا حشر ہو سکتا ہے۔ تمہاری یہ دلیری صرف اس وجہ سے ہے کہ تم جانتی ہو کچھ بھی ہو جائے منگنی تو ٹوٹے گی نہیں کہ ایسا خاندان میں کبھی نہیں ہوتا اور ہے بھی وٹے سٹے کا معاملہ۔ رہا مار پیٹ کا سوال تو اس کی تم عادی ہو چکی ہو بلکہ ڈھیٹ ہو چکی ہو۔ تمہارا تو مقصد حل ہو جائے گا۔ اگلے سال کی ہوتی شادی کے بجائے تمہارے ابو چوٹی سے پکڑ کر تمہیں اگلے ہی روز رخصت کر دیں گے مگر ذرا سوچو' میرا حشر کیا ہو گا جبکہ غلطی میری نہیں ہو گی۔"

"کچھ بھی نہیں ہو گا ضویا! تم خوامخواہ خود بھی ڈر رہی ہو اور مجھے بھی ڈرا رہی ہو۔ تمہاری تو عادت ہے خوفناک منظر کشی کرنے کی۔ جب کبھی بھی میں نے شیرو سے ملنے جانا چاہا' تم نے ایسے ہی عبرت ناک نقشے کھینچے۔ خوب ڈراوے دیے مگر کیا کبھی کچھ ہوا؟ کچھ بھی نہیں اور کبھی بھی نہیں اور شیرو نے جو منصوبہ بنایا ہے' وہ تو ایک دم محفوظ ہے۔ یہاں سیالکوٹ میں تو ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں بندہ ڈھنگ سے بیٹھ کر بات کر لے' اسی لیے وہ گاڑی میں آتا ہے۔ ہم لانگ ڈرائیو یا کسی جگہ لنچ کر لیتے ہیں لیکن خود سوچو' ملے ہوئے ڈھائی ماہ ہو رہے ہیں۔ ڈھائی ماہ کی آدھ پون گھنٹے میں کیسے مٹ سکتی ہے' اسی لیے اس نے کہا ہے کہ کسی بہانے میں لاہور آجاؤں۔ ظاہر ہے لاہور میں کوئی جاننے والا نہیں۔ اب اتنا اچھا موقع ہے' کالج میں اسپورٹس ڈے ہے۔ پچھلے سال بھی شام چھ بجے تک فارغ ہوئے تھے ہم لوگ اور اگر اس بار گھر میں یہ کہہ دیں کہ ہم نے بھی کسی گیم میں حصہ لیا ہے تو جلدی نکل سکتے ہیں۔ سات بجے والی کوچ میں بیٹھیں تو ساڑھے نو یا دس بجے تک لاہور پہنچ جائیں گے۔ دس بجے سے لے کر دوپہر کے دو بجے تک بہت وقت ہو گا۔ ڈھائی بجے والی کوچ سے پانچ بجے تک واپس سیالکوٹ اور کوچ کا اڈہ تو کالج کے سامنے ہی ہے۔ چھ بجے سے پہلے ہی ہم کالج میں ہوں گے۔ گھر احتیاطاً ساڑھے چھ کا ٹائم دیں گے۔"

"اگر یہ سب اتنا آسان ہے تو تم اکیلی کیوں نہیں چلی جاتیں۔ مجھے کیوں گھسیٹ رہی ہو۔"

تنگ آکر اس نے نورین کو باز رکھنے کی کوشش کرنے کا ارادہ ترک کر دیا' البتہ وہ خود کو اس معاملے سے الگ ہی رکھنا چاہتی تھی۔

"کیسے چلی جاؤں' دو ڈھائی گھنٹے کا سفر اکیلے کیسے کروں؟"

"جب اتنا کچھ کرنے کی ہمت ہے تو یہ جرأت بھی خود میں پیدا کرو۔ جب تمہیں اس بات سے خوف محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ کسی ایمرجنسی کی صورت میں تمہارے گھر سے تمہیں کوئی لینے کے لیے مقررہ وقت سے پہلے آگیا یا تمہارے بھائیوں میں سے کسی کی رگِ جاسوسی پھڑکی یا فرض کرو' کوچ راستے میں کسی خرابی کی وجہ سے گھنٹہ لیٹ ہو گئی تو کیا ہو گا۔ انہیں پتا چل جائے گا کہ تم سرے سے کالج آئی ہی نہیں۔ تم اتنے خطرناک سچویشن کو نظرانداز کر سکتی ہو تو اکیلے سفر کیوں نہیں کر سکتیں۔"

"بات اکیلے سفر سے گھبرانے کی نہیں۔ کوچ کسی جنگل سے تو نہیں گزرے گی' نہ ہی اس میں کوئی جن

بھوت سوار ہوں گے۔ دراصل اکیلی لڑکی جان کر کوئی بھی میرے بارے میں مشکوک ہو سکتا ہے یا بدتمیزی کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ تم ساتھ ہو گی تو مورل سپورٹ رہے گی۔"

"میں ساتھ ہوں گی تب نا؟ یہ بھول جاؤ کہ اس قسم کے بہانے بنا کر تم مجھے قائل کر لو گی۔ تم تو خیر سمجھنے سمجھانے کی حدود سے نکل آئی ہو' اسی لیے میری بلا سے جو مرضی کرو مگر خدا کا واسطہ ہے کہ مجھے مجبور مت کرو۔ نہ دوستی کے نام پہ اور نہ اپنی اس فضول محبت کے نام پہ۔" بحث ختم کرنے کی غرض سے وہ وہاں سے اٹھ ہی گئی۔

* * *

اس نے یہ سوچ کر شکر ادا کیا کہ کل انکل بمع اپنی فیملی کے کوئٹہ جا رہے ہیں۔ یعنی اب اس کی کڑی آزمائش کا دور ختم ہونے والا تھا۔ وہ آج کالج نہیں گئی۔ کل سارا دن نورین نے مسلسل اصرار کے ذریعے اسے اس قدر زچ کر دیا تھا کہ وہ دوبارہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ امی نے خود اس سے چھٹی کرنے کا کہا تو وہ بہ رضا خوشی مان گئی۔ بھابھی اب تک میکے سے نہ لوٹی تھیں۔ ویسے تو بڑے بھیا ان کو اتنے دن رکنے کی ہرگز اجازت نہ دیتے مگر آج کل چونکہ گھر میں دو دو جوان جہان "لونڈوں" کا قیام تھا' اس لیے وہ بیوی کو کمالِ مہربانی سے میکے میں رکنے کی اجازت دے بیٹھے۔

امی ہمیشہ سے اکیلی ہی بازار جایا کرتی تھیں' وہ بھی کبھی کبھار۔ ضویا نے بہت کم بازار کی شکل دیکھی تھی۔ بھابی کے نہ ہونے کی وجہ سے امی نے اسے ساتھ چلنے کو کہا۔ انہیں مہمانوں کو تحفے دے کر رخصت کرنا تھا۔ عینا بھی ساتھ چل رہی تھی۔ احتشام ڈرائیور کم گارڈ کے طور پہ ہمراہ تھا۔

امی نے اس کے مشورے سے خریداری کی۔ وہ آج شاپنگ کے دوران مطمئن اس لیے بھی تھی کہ احتشام قدم بہ قدم ساتھ ہونے کے باوجود بات بات پہ روک ٹوک کر رہا تھا نہ مسلسل ہدایتیں نشر کر رہا تھا۔ بلکہ آج تو وہ اس کی کڑی نظروں کے حصار سے بھی آزاد تھی۔ اس کی تمام تر توجہ عینا پہ تھی جو بے حد دلچسپی سے انار کلی کے بانو بازار کی گہما گہمی دیکھ رہی تھی اور نہایت اشتیاق سے ہر چیز کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف سوال کر رہی تھی۔

احتشام بڑے تحمل سے اس کے ہر بچکانہ سوال کا جواب دے رہا تھا جو ضویا کے لیے باعث حیرت تھا' ورنہ اس سے پیشتر ضویا کو جب بھی امی کے ساتھ بازار آنے کا اتفاق ہوا' احتشام کی وجہ سے وہ سخت بددل ہوتی تھی۔ اور اب وہی احتشام بلند آواز میں عینا سے باتیں بھی کر رہا تھا' قہقہے بھی لگا رہا تھا' شاپنگ کے لیے اسے مشورے بھی دے رہا تھا۔ اس وقت اسے بالکل سروکار نہ تھا کہ اس کی بہن کی چادر چلتے ہوئے سر سے ڈھلک تو نہیں گئی۔ راہ چلتے کسی اوباش نے اس پہ گندی نظر تو نہیں ڈالی۔

"ضویا آپی! چاٹ کھائیں' بہت دل کر رہا ہے؟"

اس کی فرمائش پہ ضویا سوالیہ انداز میں امی کی جانب دیکھنے لگی۔ امی نے جواب دیا۔

"اچھا بیٹا ضرور' ابھی پیک کروا لیتے ہیں۔ ویسے بھی شاپنگ مکمل ہو گئی ہے۔ اب گھر ہی تو چلنا ہے۔"

"اوں ہوں..... پیک کروا کر گھر نہیں لے جانا۔ اس میں کیا مزہ' یہیں پہ کھاتے ہیں' دیکھیں نا کتنا رش ہے۔ کتنی عورتیں اور لڑکیاں کھا رہی ہیں۔ اور گرم گرم سموسے بھی ہیں۔ سموسے تو گھر جانے تک ٹھنڈے ہو جائیں گے۔" عینا کمال بے تکلفی سے فرمائش پہ ڈٹی ہوئی تھی' امی بے بس سی ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ مسلسل انکار سے نجانے کیا سمجھتی کہ وہ اسے تیس چالیس روپے میں چاٹ' سموسے نہیں دلا سکتے۔ آخر ضویا نے مناسب الفاظ میں اس پہ اصل وجہ واضح کی۔

"دراصل عینا! احتشام پسند نہیں کرتا' یوں سرِ راہ کھڑے ہو کر کھانے پینے کو۔ کبھی کبھی میرا بھی بہت دل کرتا ہے تو امی پیک کروا کر ساتھ لے جاتی ہیں۔ مجھے تو خود بہت عجیب سا لگتا ہے اس طرح بھرے بازار

posted by kausar56@oneurdu.com KAUSAR56

میں پلیٹ ہاتھ میں تھام کر چٹخارے لینا۔"

اوکے، تو ہم اندر چلے جائیں گے۔ اندر بھی جگہ ہے کافی لوگ بیٹھے نظر آرہے ہیں۔"

"تم سمجھ نہیں رہیں' بات صرف روڈ پہ کھڑے ہو کر کھانے یا فوڈ پوائنٹ کے اندر جانے کی نہیں' بلکہ ہمارے ہاں عورتوں کا سرے سے ہوٹلنگ کرنا ہی پسند نہیں کیا جاتا۔ احتشام تو احتشام' سہام بھیا اور بڑے بھیا بھی اس معاملے میں بہت سخت ہیں۔ اس لیے سوری' تمہاری یہ فرمائش تو ہم پوری نہیں کر سکتے۔"

ضویا نے بہتر جانا کہ صاف گوئی سے اسے حقیقت بتائی جائے لیکن عینا کا ردعمل حیران کن تھا۔

"امیزنگ' احتشام تو کئی بار میرے ساتھ لنچ کر چکا ہے۔ کئی بار ہم آئسکریم پارلر بھی گئے ہیں۔ مجھے تو ایسا نہیں لگتا کہ وہ اتنا نیرو مائنڈڈ ہوگا۔ کیوں احتشام...؟" اس نے ذرا آگے چلتے احتشام کو اچانک بلند آواز میں پکار کر گفتگو میں شامل کیا۔

"احتشام! میرا دل چاٹ کھانے کو چاہ رہا ہے اور سموسے بھی۔" اس نے لاڈ سے کہا۔ جس کو سن کر احتشام فوراً" اس کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے مستعد ہوگیا۔

"اسے چھوڑو' یہاں اتنی اچھی نہیں ملتی' آگے آؤ' وہاں نکڑ پر جو چاٹ پوائنٹ ہے وہاں کی فروٹ چاٹ اور دہی بڑے پورے لاہور میں مشہور ہیں۔"

ضویا حیرت سے اس کا منہ تکتی رہ گئی' جب کہ امی' بیٹی سے نظریں چرا رہی تھیں۔

"آؤ' کھڑی کیوں ہو؟" اچانک احتشام نے مڑ کر اسے دیکھا۔

عینا اندر جا چکی تھی۔ جب کہ وہ وہیں ڈٹی ہوئی تھی۔ اس نے امی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ امی اس کے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں کی سختی سے بہت کچھ سمجھ چکی تھیں کہ وہ اس وقت کن احساسات میں گھری ہوئی ہے۔

"نہیں' تم جاؤ' مجھے اچھا نہیں لگتا اس طرح بازاروں میں کھانا پینا۔"

ضویا نے چبا چبا کر جتاتے ہوئے کہا۔ اس کی بات کا مطلب وہ سمجھ تو گیا' مگر خود پہ قابو پاتے ہوئے پی گیا۔ دانت کچکچاتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"تماشا مت بناؤ۔ اب کیا تم راستے میں کھڑی رہو گی۔"

"امی ہیں میرے ساتھ۔ تم بے فکر ہو کر اندر جاؤ۔" وہ آج اس سے ذرا بھی خوفزدہ نہ تھی۔

"کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔" اب اس نے بگڑے لہجے میں امی سے پوچھا' امی کو بھی شاید اس کی حرکت پسند نہ آئی تھی۔ اس لیے ضویا کا ہی ساتھ دیا۔

"اس کا مسئلہ ایک نہیں ہے' چار چار ہیں۔ تم تو اندر لے جاؤ گے کہ آج تمہارا اپنا جی کر رہا ہے۔ گھر پہ بیٹھے سہام یا انضمام میں سے کسی کو پتا چلے گا تو وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ وہ صرف تمہارے کہنے پہ کھانے رکی تھی۔ کیوں اس کی شامت لانی ہے۔ پتہ تو ہے اپنے بھائیوں کا۔"

وہ دونوں وہیں کھڑی برابر کے اسٹال سے شالیں دیکھتی رہیں اور وہ پندرہ منٹ کے بعد عینا کو لے کر باہر نکلا تو اس کے چہرے پہ نہ شرمندگی تھی' نہ خجالت۔ بلکہ صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے ان دونوں کی غیر موجودگی زیادہ انجوائے کی ہے۔

واپسی کا راستہ ضویا نے خاموشی سے کاٹا۔ اس کا دل عینا سے بات کرنے کو بھی نہ چاہ رہا تھا۔ شام سے ذرا پہلے وہ گھر لوٹے تو بڑے بھیا اور انضمام بھی آچکے تھے۔ بڑے بھیا نے کڑی نظروں سے عینا کا حلیہ دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح چست ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ ندارد تھا۔ ان کی تنقیدی نظروں کے خوف سے ضویا خود بخود ہی اپنی چادر درست کرنے لگ گئی۔

"کیا ضرورت تھی ضویا کو بازار لے جانے کی۔ ایسی کیا ضرورتیں ہیں جو گھر بیٹھے پوری نہیں ہو سکتیں۔ آپ کس لیے ہیں؟ کیا آپ خود اس کی شاپنگ نہیں کر سکتیں؟"

بڑے بھیا موقع ملتے ہی امی سے بازپرس کرنے لگے۔

"کون سا روز روز جاتی ہے؟ میں خود اسے لے کر گئی تھی۔ وہ بڑی ہو رہی ہے انضمام! کل کو اسے بیاہنا ہوگا۔ گھر گرہستی والی عورت ہوگی وہ۔ میل ملاپ' لین دین اور کسی کے رشتے کے لحاظ سے رویہ رکھنا بھی سکھانا ہے۔

اسے تو تم لوگوں کی روک ٹوک نے بالکل مٹی کا بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگلے گھر جا کے کیسے لوگوں کو برتنا سیکھے گی' میں اسی لیے کوشش کرتی ہوں کہ اب خاندان برادری میں ہر موقع پہ اسے ساتھ لے کر جاؤں' اسے پتا چلے رشتے داریاں کیسے نبھائی جاتی ہیں۔"

امی کی مدلل وضاحت نے بھیا کے ماتھے کی شکنیں کچھ کم کیں۔

"وہ سب ٹھیک ہے۔ آپ ساتھ تھیں' احتشام بھی ہمراہ تھا' اس لیے مجھے اس کے جانے پہ اعتراض نہیں۔ تکلیف مجھے اس بات کی تھی کہ آپ ضویا کو اس لڑکی عینا سے گھلنے ملنے کی آزادی کیوں دے رہی ہیں۔ وہ ایک انتہائی آزاد خیال اور ماڈرن لڑکی ہے۔ میں اپنی بہن کے ساتھ اس کی دوستی کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

برآمدے میں آئرن اسٹینڈ کے نزدیک کھڑی ضویا کپڑے استری کرتے ہوئے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔

"اور اسی لڑکی کی اپنے بھائیوں سے دوستی تو آپ باآسانی برداشت کر سکتے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

☼ ☼ ☼

"واؤ' آج تو آپ سر شام ہی نظر آرہی ہیں۔"

اچانک ہی عمیر نجانے کہاں سے برآمد ہوا۔ وہ یہ سوچ کر گھبرائی کہ کہیں بھیا یہاں ہونے والی عمیر کی گفتگو اندر بیٹھے سن نہ رہے ہوں۔ اس نے جلدی سے استری کا پلگ نکالا اور آدھی پریس ہوئی شرٹ اٹھا کر سہام بھیا کے کمرے کی جانب چلی۔

"آخر آپ اتنا گھبرائی گھبرائی نروس سی کیوں رہتی ہیں۔" وہ اور بھی بلند آواز میں دریافت کرنے لگا۔

"یا کسی نے آپ کو بتا دیا ہے کہ آپ اس انداز میں زیادہ پیاری لگتی ہیں۔ اینی وے... بات تو سنیں' پلیز رکیں۔ میں آپ کے لیے ایک گفٹ لے کر آیا تھا۔"

یہ سنتے ہی اس کے قدموں کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ اس نے پلٹ کے دیکھے بغیر اپنے کمرے میں پناہ لی۔ بند دروازے سے لگی وہ دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ اپنی عافیت کی دعا مانگنے لگی۔ کتنی ہی دیر وہ کمرے میں یونہی کھڑی رہی۔ یہاں تک کہ بڑے بھیا خود دستک دے کر اندر آگئے۔ وہ فق چہرے کے ساتھ انہیں اور ان کے پیچھے بند دروازے کو دیکھنے لگی۔ وہ پشت پہ ہاتھ باندھے خونخوار نظروں سے اسے گھورتے اس کی جانب بڑھ رہے تھے اور اس کی لرزتی ٹانگیں اس کا وجود اٹھانے سے بے بسی ظاہر کر رہی تھیں۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سب؟"

"جب سے وہ لفنگا یہاں آیا ہے' تب سے۔" ان کی آواز اگرچہ دھیمی تھی مگر لہجے میں تندی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ "کن الفاظ میں اپنی صفائی پیش کروں۔ الفاظ مل بھی جائیں تو آواز کہاں سے لاؤں' آواز... جو ڈوبتی جا رہی ہے' پانی کی اندھی گہرائیوں میں۔"

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں ضویا!" اب کے وہ پھنکارے۔ اتنے میں امی بھی حواس باختہ سی اندر آئیں۔

"کیا تماشا ہے یہ انضمام! میں نے تم سے کہا تو ہے کہ وہ لڑکا ایسے ہی شریر اور بڑبولا سا ہے۔ اب اس میں ضویا بے چاری کی کیا غلطی۔"

"آپ اسے شہ مت دیں امی! جب تک کوئی لڑکی خود حوصلہ افزائی نہ کرے' کسی لڑکے کی کیا مجال کہ وہ پیش قدمی کرے۔ اس نے کچھ تو اشارے کیے ہوں گے کہ وہ تحفے لانے کی حد تک نڈر ہوگیا۔"

"آہستہ بولو۔ کیوں اپنی بہن کی بدنامی کا سامان خود پیدا کر رہے ہو۔ باہر مہمان بیٹھے....."

"کیسے مہمان' نقب زن ہیں وہ۔ شرم نہیں آئی

posted by kausar56@oneurdu.com KAUSAR56 oneurdu upload one urdu

انہیں۔ اتنی جرأت کہ میری بہن کو میرے ہی گھر میں..... ان لوگوں کو تو میں دھکے دے کر گھر سے نکال دوں گا۔ میں تو پہلے ہی اس بات کا مخالف تھا کہ جوان اور سرکش لڑکوں کو دو ہفتے تک گھر رکنے کی اجازت دی جائے اور یہ..... یہ لڑکی..... اس کی ہمتیں تو دیکھیں جس کی بے خوفی اور بے حیائی کا یہ عالم ہے کہ گھر کے اندر باپ اور چار چار غیرت مند بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی آنکھیں لڑا رہی ہے۔ گھر سے نکل کر نجانے کتنے کارنامے کرتی ہو گی‘ اسی لیے کہا تھا اسے کالج نہ بھیجیں‘ گھر پہ پرائیویٹ امتحان دے لے گی لیکن آپ کو تو میری ہر بات غلط لگتی ہے۔ دیکھ لیا نتیجہ۔“

یک طرفہ فیصلہ سنا کر مارے طیش کے کمرے سے نکل گئے۔ امی نے آگے بڑھ کے اسے گلے سے لگانا چاہا مگر وہ ہاتھ جھٹک کر رہ گئی۔

”جانتی تو ہو اس کی عادت۔ مزاج ہی ایسا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔“ امی نے ذرا تشویش سے اس کے زرد چہرے‘ سفید پڑتے لبوں کی پھڑپھڑاہٹ اور یخ بستہ ہاتھوں کو دیکھا اور گھبرا کر اسے ہلا ہلا کر پکارنے لگیں۔

”ضویا..... ضوئی..... میری جان! کیا ہوا‘ بولتی کیوں نہیں۔ کچھ تو بولو‘ میری طرف دیکھو تو سہی۔“ مگر اس کی پتھرائی نظریں اب تک دروازے پہ جمی تھیں۔

”امی..... امی.....“ باہر سے احتشام کی آواز پہ ان کے اور بھی ہاتھ پیر پھول گئے۔ انہوں نے اسے اندر آنے کا موقع دیے بغیر باہر نکل کر آواز دی۔

”کیا بات ہے‘ میں اندر کمرے میں تھی۔“

”ہاں..... وہ میں بتانے آیا تھا کہ میں عینا کے ساتھ واک کرنے جا رہا ہوں مارکیٹ تک‘ کوئی کام تو نہیں۔“

”اس وقت جانا کیا بہت ضروری ہے۔ رات کے دس بج رہے ہیں۔“

امی نے ناگواری سے کہا۔ اچانک ضویا کے منجمد وجود میں ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ ہیجانی انداز میں دروازے تک آئی۔

”بہت ضروری کام ہے امی! اسے اور رات کے دس بج رہے ہوں یا بارہ‘ اسے کیا فرق پڑتا ہے بلکہ کسی کو بھی فرق نہیں پڑتا۔“

اس کی آواز شدت کرب سے پھٹ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ دونوں سکتے میں آ گئے۔ امی تو اس کے رد عمل کے پس منظر کا اندازہ کچھ لگا سکتی تھیں لیکن احتشام کے لیے یہ سب ناقابل فہم تھا۔ وہ حیرت سے اس کی اوپر کو جنونی انداز میں چڑھی آنکھوں‘ لکنت زدہ لہجے اور لرزیدہ وجود کو دیکھتا رہا۔

”کوئی فرق نہیں پڑتا اسے‘ نہ حسام کو‘ نہ سہام بھیا کو۔ امی آپ کے کسی بیٹے کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چاہے وہ جو بھی کرتے پھریں۔ کسی لڑکی کے ساتھ اپنے ہی گھر کی چھت پہ پتنگ اڑاتے پھریں‘ سیر گاہوں میں تفریح کرتے پھریں‘ ہوٹلوں میں کھانا کھاتے رہیں‘ آدھی رات کو چہل قدمی کرتے رہیں یا پھر اپنی ایک مہمان لڑکی کو اپنے دوستوں کے سامنے گرل فرینڈ کہیں‘ ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا‘ ان کے لیے سب جائز ہے۔“

احتشام سب سے پہلے اس سکتے سے آزاد ہوا اور آگے بڑھ کر اس کو دھکیلتا ہوا اندر کمرے میں لے گیا۔ امی بوکھلائی ہوئی پیچھے لپکیں اور جلدی سے دروازہ بند کیا۔ شکر ہے سب لوگ کھانے کے بعد اب تک ڈرائنگ روم میں خوش گپیوں میں مصروف تھے اور گھر کا یہ حصہ وہاں سے خاصے فاصلے پہ تھا۔ احتشام نے اسے اندر لا کر بیڈ پہ پٹخ دیا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے کیا اس کا‘ کیا بکواس کر رہی ہے۔“ اس نے امی سے پوچھا۔

”ایسے ہی..... ذرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس کی‘ اوپر سے انضمام نے ڈانٹ دیا‘ اس لیے غصے میں بھری بیٹھی تھی۔ ایسے میں تم آ گئے تو تم پہ غبار نکل گیا۔“

”میں یہ بکواس آئندہ برداشت نہیں کروں گا۔ آپ نے سنی نہیں اس کی باتیں۔ کیسے کیسے خیالات پال رکھے ہیں اس نے بھائیوں کے خلاف۔ بہنیں

posted by kausar56@oneurdu.com upload

ایسی ہوتی ہیں؟"

"اور بھائی ایسے ہوتے ہیں؟" وہ ایک بار پھر پھٹ پڑی۔

"کبھی تم نے یا کسی اور بھائی نے مجھے بہن سمجھ کر پیار دینے کی کوشش کی؟ میں تم لوگوں کے نزدیک بہن نہیں تھی ایک قابل شرم رشتہ تھی۔ ہر وقت مجھ سے خوف زدہ رہتے ہو کہ کہیں میری کوئی حرکت تم لوگوں کا سر نیچا نہ کردے، تمہیں زمانے کے آگے رسوا نہ کردے۔ اتنے سالوں سے میں ایک امتحان میں ہوں۔ نظروں سے گرنے کا خوف، کسی شعوری یا غیر شعوری لرزش کے پکڑے جانے کا ڈر، میری جان سکھائے رکھتا ہے اور آپ سب.... آپ سب لوگ کتنے بے فکر، لاپروا، آزاد اور ہر بوجھ، ہر خوف سے پاک زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے آج اپنے بھائیوں سے یہ سوال کرنا ہے کہ کیا غیرت.... یہ حرف مردذات کی ملکیت ہے۔ کیا ایک بہن کے دل میں یہ آرزو نہیں ہوتی کہ اس کے بھائی اپنے ہر کردار و عمل سے اس کا سر فخر سے بلند رکھیں؟"

پتا نہیں وہ کب تک بولتی رہتی کہ احتشام نے آگے بڑھ کر اپنے الٹے ہاتھ کا ایک زوردار طمانچہ اس کے چہرے پہ رسید کردیا۔

"یہ ہے تمہارے ان بے تکے سوالوں کا جواب۔ شرم نہیں آتی بھائیوں پہ کیچڑ اچھالتے ہوئے۔"

"بھائیوں کو شرم نہیں آتی بہن پہ کیچڑ اچھالتے ہوئے۔" وہ بلند آواز میں رونے لگی۔ امی پریشان ہو کر کبھی اسے تو کبھی دروازے کو دیکھنے لگتیں کہ کہیں کوئی اس کا واویلا سن کر اندر نہ آجائے اور یہ معاملہ طول پکڑ جائے۔

"یاد کرو کتنے سالوں سے تم چاروں مجھ پہ کیچڑ اچھالتے آرہے ہو۔ ہر بات پہ شک، ہر دوستی کی چھان بین، میرا ہنسنا، بننا سنورنا.... ہر چیز کی تفتیش اور جاسوسی.... اپنی ہی بہن پہ اس درجہ بے اعتباری کا اظہار اس کے کردار پہ کیچڑ اچھالنا نہیں تو اور کیا ہے۔"

"اس کا دماغ میں بعد میں درست کروں گا۔ پہلے آپ اسے قابو کرکے رکھیں، گھر میں غیر لوگ بیٹھے ہیں اور یہ آج ہی اپنی اصلیت دکھا رہی ہے۔ بڑے بڑے پر نکل آئے ہیں۔ ایک ہی جھٹکے میں نوچ ڈالوں گا۔ بس ذرا ان مہمانوں کو کل واپس چلے جانے دو۔"

وہ دھماکے سے دروازہ بند کرتا نکل گیا۔ امی اس کے نزدیک سر تھام کے بیٹھ گئیں۔

اگلے دن اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ کالج جاسکتی لیکن امی کے مجبور کرنے پہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہونے لگی۔ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ امی اس کا گھر رکنا کیوں مناسب نہیں سمجھ رہیں۔ رات کو احتشام کی بھڑاس ڈھنگ سے نکل نہ پائی تھی اور اگر بڑے بھیا کی زبانی اسے عمیر کی جسارت کی سن گن مل جاتی تو پھر وہ ضوبیا کا حشر کرکے رکھ دیتا۔ وہ بے دلی سے کالج چلی آئی۔ وہاں نورین کے سوجے چہرے کا سامنا کیا۔ پرسوں اس کے انکار اور کل کی چھٹی پہ ناراض تھی۔ اس وقت ضوبیا کو اس کی یہ ناراضی بھی غنیمت لگ رہی تھی، ورنہ اس کے ستے ہوئے چہرے، متورم آنکھوں اور مرجھائے ہوئے وجود کو دیکھ کر وہ کئی سوال کرڈالتی۔

"اب بس بھی کرو، خفا مجھے ہونا چاہیے نہ کہ تمہیں۔ اتنے نخرے کیوں دکھا رہی ہو۔" وہ پھر بھی چپ رہی۔

"کل تم نے چھٹی بھی صرف اس لیے کی تھی، ہے نا۔ مجھ سے جان چھڑانے کا اچھا طریقہ ہے۔ بلاوجہ روٹھ کے بیٹھی ہو۔ اچھا چلو چھوڑو ساری باتیں، اب کبھی تم سے اصرار نہیں کروں گی کہ تم میری مدد کرو۔"

بالآخر تھک ہار کر نورین نے اپنی ضد سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ کالج آف ہونے والا تھا۔ ضوبیا نے اطمینان سے کتابیں سمیٹ کر بیگ میں رکھیں اور زپ بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"میں نے تمہاری مدد کرنے سے انکار تو نہیں کیا۔" وہ خود نہیں جانتی تھی کہ یہ فقرہ اس کی زبان سے کیسے ادا ہوا۔ نورین بھی اس غیر متوقع بات پہ دنگ رہ گئی۔

"کیا مطلب، کیا کہا؟"

"ہاں، میں تیار ہوں۔ تم سارا انتظام کر رکھنا۔ یہاں اتنی آزمائشوں میں گھری ہوں، وہاں دوستی کی آزمائش بھی سہی۔" وہ عجیب طرح سے مسکرائی۔

"میں تو پہلے ہی جانتی تھی تم مجھے انکار نہیں کرسکتیں۔" وہ پرجوش ہوگئی۔

"یقین کرو کچھ بھی نہ ہوگا، تم خوامخواہ وہم کررہی ہو۔ ڈھائی گھنٹے کا سفر ہے۔ وہاں اڈے پہ ہی شیرو آیا ہوگا۔ دوپہر کو خود ہمیں واپسی کی کوچ پہ بٹھائے گا اور وہ [illegible]یں پار کرنے کے بعد ہم لوگ کالج میں ہوں گے اور بالفرض اگر ہمارے آنے سے پہلے بھائی وغیرہ میں سے کوئی آگیا تو بھلا اسے کیسے پتا چلے گا کہ ہم کالج میں نہیں ہیں۔ وہ اندر جاکر تلاش کرنے سے تو رہے۔ اگر گیٹ پہ ہوں تب بھی ہم چادر میں چھپ چھپا کر اندر چلے جائیں گے۔ ایسا کرتی ہوں ان چادروں کے بجائے میں اپنے اور تمہارے لیے دوسری چادریں یا لے آؤں گی۔ کالج کی ان چادروں کی تو انہیں پہچان ہوگی۔"

وہ اپنے "تجربہ کار" گر اسے بتا کر اس کا حوصلہ بڑھاتی رہی۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں بیٹھی بس گراؤنڈ سے سوکھی زرد گھاس نوچ نوچ کر پھینکتی رہی۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ایک افراتفری کا سا عالم تھا۔ کھانے کے فوراً بعد مہمانوں کی روانگی تھی۔ ابو، بڑے بھیا سب لوگ جمع تھے، انہیں رخصت کرنے کے لیے بھابھی بھی آئی تھیں۔ اس نے چور نظروں سے احتشام کی جانب دیکھا جس نے اس پہ ایک تند سی نظر ڈالنے کے بعد نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔ امی نے ذرا تشویش سے اس کا احوال دریافت کیا۔ وہ اسے بصد اصرار کالج بھیج تو چکی تھیں مگر پھر فکر مند ہی رہیں کہ اس کی طبیعت خراب نہ ہوگئی ہو۔ ان کی جانب سے محبت و اپنائیت کا والہانہ اظہار پاکر وہ کچھ پرسکون سی ہوئی اور کچھ شرمندہ بھی۔ اسے اچانک یاد آنے لگا کہ وہ جذباتیت میں نورین سے کیا وعدہ کر آئی ہے۔ اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہوئے اس نے ذرا بھی یہ نہ سوچا کہ کیا واقعی وہ اتنا بڑا قدم اٹھا پائے گی۔ اب اپنے گھر کی چار دیواری میں آتے ہی، امی کی آغوش کی گرمی پاتے ہی، ابو کی سفید داڑھی اور ماتھے کے محراب کو دیکھتے اور چاروں بھائیوں کو ایک ساتھ کھڑے دیکھ کر اس کے قدم پھر سے لڑکھڑانے لگے۔ اسے خود پہ شرم آنے لگی کہ وہ نورین کی اس غلط حرکت میں ساتھ دینے پہ آمادہ کیسے ہوئی۔

"ٹھیک ہے بڑے بھیا کی نظر میں، میں ناقابل اعتبار ہی سہی لیکن خود اپنی نظر میں تو میں سرخرو ہوں۔ میں خود پہ سے اپنا یہ غرور کیسے ختم کرسکتی ہوں، وہ بھی اپنے ہاتھوں۔ مجھے ابھی نورین کو فون کرکے منع کردینا چاہیے۔ وہ میرے ساتھ زبردستی تو نہیں کرسکتی۔ مجھے صرف پکڑے جانے یا راز کھلنے کا ہی خوف نہیں، یہ ڈر بھی ہے کہ میں آپ اپنی نظروں سے گر جاؤں گی۔"

اس نے نورین سے بات کرکے خود کو اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ کرنے کا پکا ارادہ کرلیا۔

"ضوبیا آپی! آپ کو پاپا بلا رہے ہیں۔" عینا نے انکل کا پیغام اس تک پہنچایا۔ وہ امی کے سرہلانے پہ اٹھ گئی۔ امی بھی کام چھوڑ کر اس کے ساتھ ہی اندر تک آگئیں۔

"بیٹا! وہاں سے ہم لوگ آپ سب کے لیے خاص تحفے تو نہ لاسکے۔ تم سب کی عمروں اور پسند وغیرہ کا اندازہ نہ تھا، اس لیے یہیں سے یہ کچھ تحفے تم سب کے لیے خریدے ہیں۔ امید ہے تمہیں پسند آئیں گے۔" انہوں نے آنٹی کو اشارہ کیا اور وہ سب کو ان کے تحائف تھمانے لگیں۔

ابو کے لیے خوبصورت گھڑی۔ امی کے لیے کشمیری شال اور جارجٹ کا سوٹ۔ سب بھائیوں کے لیے شلوار قمیض کا کپڑا اور ریڈی میڈ مہنگی شرٹس۔ بڑے بھیا کی شادی میں بھی چونکہ وہ نہ آسکے تھے، اس لیے منہ دکھائی کے طور پر بھابھی کو سونے کا ایک نفیس سا لاکٹ سیٹ دیا۔ ضوبیا کے لیے بھی گولڈ کے ٹاپس تھے اور ایک ویلوٹ کا سوٹ بھی تھا۔ اس نے شکریے کے

posted by kausar56@oneurdu.com KAUSAR56 Kausar56@oneurdu.com upload

ساتھ گفٹ لیے اور بڑے بھیا کے اشارہ کرنے سے پہلے ہی وہ وہاں سے نکلنا چاہتی تھی کہ آنٹی نے روک دیا۔

"ارے ابھی کہاں جا رہی ہو۔ عینا' عمر اور عمیر نے بھی تم سب کے لیے کچھ نہ کچھ لیا ہے۔"

عینا نے ضویا کو ایک سٹفڈ ٹوائے دیا۔ وہ اس کے بچپنے پہ ہنس دی۔ حسام کو ڈائری' احتشام کو واک مین اور بڑے بھیا اور سہام بھیا کے لیے اس نے ایک ایک پین لیا تھا۔ بھابھی کو فوٹو فریم دیا۔ اسی طرح عمر' عمیر نے بھی چاروں بھائیوں کو مختلف چیزیں دینے کے بعد ضویا کی جانب ایک خوبصورت پیکنگ والا گفٹ بڑھایا۔ یہ واحد گفٹ تھا جو پیک تھا' سب ہی ٹھٹک گئے۔

ضویا جھجک کر امی اور ابو کے چہرے کی جانب دیکھنے لگی۔ بھائیوں کی جانب نظر ڈالنے سے البتہ اس نے احتراز ہی کیا۔ ابو کے تاثرات میں رضامندی کی جھلک پا کر اس نے خاموشی سے گفٹ تھام لیا۔ وہ جواب میں شکریہ تک ادا نہ کر سکی جس کو عمیر نے فوراً" نوٹ کیا۔

"یہ کیا... اتنی محنت سے تلاش کر کے اور اتنی محبت سے پسند کر کے میں آپ کے لیے یہ گفٹ لایا اور آپ شکریہ تک نہیں کہہ رہیں۔ اچھا چلیں کھول کے تو دیکھیں پسند آیا یا نہیں۔"

"عمیر بہت کانشس تھا آپ کے لیے گفٹ سلیکٹ کرتے ہوئے۔" عمر نے بتایا۔ "ایسی کیا چیز ہو جو آپ کے شایان شان بھی ہو اور جس کے ذریعے عمیر اپنی فیلنگز بھی آپ تک پہنچا سکے۔"

اگرچہ اس نے ذرا قریب ہو کر خاصی آہستہ آواز میں یہ بات ضویا سے کہی تھی مگر بڑے بھیا کے تیز کانوں تک باآسانی پہنچ گئی۔ ان سے خود پہ ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔

ضویا تو پہلے ہی عمر کو اپنے کان کے قریب آتے دیکھ کر بدک گئی تھی۔ بھیا کے چہرے کے بگڑتے زاویوں سے خوف زدہ ہو کر وہاں سے باہر نکل گئی۔ بڑے بھیا کے ساتھ ساتھ سہام بھیا اور احتشام کو بھی ایک چپ لگ گئی۔

ماحول کے اس تناؤ کو سب نے ہی محسوس کیا لیکن معاملے کی تہہ تک صرف انکل پہنچے۔ آخر وہ اسی خاندان کے تھے۔ اتنا عرصہ باہر رہنے اور ایک تعلیم یافتہ متوازن سوچ کی حامل شریک حیات کے ساتھ نے ان کی سوچ میں واضح تبدیلی ضرور پیدا کر دی تھی لیکن وہ اپنے خاندان کے مردوں کے دماغ میں پائی جانے والی اس "ٹیڑھ" سے بخوبی واقف تھے۔ بجائے کرید نے صفائی دے کر معاملے کو طول دینے کے انہوں نے سرزنش کرتی نگاہوں سے بیٹوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ اتنے دنوں تک ان کے دوست اور کزن نے ان کی خوب مہمان نوازی کی تھی۔ وہ جاتے جاتے کوئی بد مزگی پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چلے گئے۔

انکل نے چلتے وقت بھی ضویا کو آواز نہ دی۔ عمر اور عمیر اگرچہ اصل بات تک نہیں پہنچے تھے مگر باپ کی تنبیہہ کے بعد سنبھلے ہوئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد چاروں ایک جلوس کی شکل میں ضویا کے کمرے تک آئے۔ وہ انہیں دیکھ کر سہم کر غیر ارادی طور پر بیڈ کے آخری کونے تک سرک گئی۔ بیڈ کے بیچوں بیچ ابھی تک وہ گفٹ پیک پڑا تھا جسے ضویا نے کھولنے کی زحمت گوارا کیے بغیر یوں لا کر پٹخا تھا جیسے کسی نے کوئی عذاب طوق کی طرح اس کی گردن میں لاد دیا ہو۔

"کل تک تو بڑھ چڑھ کے بول رہی تھی پھر یہ سب کیا ہے۔ آخر معاملہ تحفے لینے اور دینے کی حد تک کیسے پہنچا؟" یہ احتشام تھا۔

"میں تو پہلے ہی کھٹک گیا تھا۔ امی سے سختی سے کہا تھا کہ اسے قابو کر کے رکھیں۔ آخر لڑکی ذات کا معاملہ ہے۔" سہام بھیا نے امی پہ الزام دھرا۔

"امی کی کیا بات کرتے ہو سہام! انہوں نے تو اتنے سال پتا نہیں کیا جھک ماری ہے جو اب تک دنیا کو نہ سمجھ سکیں۔" بڑے بھیا نے انتہائی بدتمیزی سے زہر اگلا۔

"آگ اور تیل کو اکٹھا کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے' یہ اب پتا چلے گا ابو جی کو۔"

"وہ تو اب بھی مہمانوں کی محبت میں سرشار انہیں ایئرپورٹ تک چھوڑنے گئے ہیں۔" سب سے چھوٹا حسام کیوں پیچھے رہتا۔

"سب امی ابو کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ ان کے نزدیک تو یہ اب بھی بچی ہے' دودھ پیتی بچی۔ اس کو حد سے زیادہ لاڈ دے کر سر پہ چڑھا رکھا ہے۔ اتنی جرأت اس لفنگے کی کہ میری بہن کو سب کے سامنے تحفہ پکڑا گیا۔ سمجھتا ہو گا جو لوگ جوان بہن کے ہوتے ہوئے مہمانوں کو دندنانے کی کھلی چھوٹ دے دیں وہ بے غیرت ہی تو ہوں گے۔"

بڑے بھیا طیش کے عالم میں آگے بڑھے۔ اب تک امی کونے میں کھڑے سب کے دل کی بھڑاس نکل جانے کے انتظار میں تھیں' لیکن بھیا کا جارحانہ انداز دیکھ کر تڑپ کر آگے بڑھیں۔ ان کے پہنچنے تک ضویا کے بال بھیا کی گرفت میں آ چکے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ کے انہیں دیکھنے لگی۔ رویوں کی مار تو وہ سالوں سے سہہ رہی تھی لیکن اب تک کسی نے اس پہ یوں ہاتھ نہ اٹھایا تھا' امی تک نے نہیں۔

"پاگل مت بنو انضمام! جوان بہن پہ کوئی یوں ہاتھ اٹھاتا ہے کیا۔" امی کی بات سن کر ضویا نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔

"بس کیجیے۔ جوان بہن... جوان بیٹی... کیا آپ لوگ مجھے صرف بہن نہیں سمجھ سکتے' صرف بیٹی نہیں کہہ سکتے۔"

"سن لیں اس کی باتیں بھیا! کل رات مجھ پہ ایسے ہی چلا رہی تھی۔" احتشام نے انہیں اور بھڑکایا۔

"الٹے ہاتھ کا ایک دھرنا تھا' ساری بولتی بند ہو جاتی۔" سہام بھیا کے مشورے پہ اس نے فخریہ اعلان کیا۔

"تو کیا نہ کرتا' ایسا کرارا ہاتھ مارا تھا مگر یہ بے غیرت ڈھیٹ ہو چکی ہے۔ اس کی آنکھ میں لحاظ رہا ہے نہ شرم۔ یہ ایسے نہیں ڈنڈے کھا کے سیدھی ہو گی۔"

"کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں آپ سب لوگ۔" بھابھی عموماً" ایسے معاملات میں الگ تھلگ رہا کرتیں۔ بڑے بھیا ان کی دخل اندازی قطعی برداشت نہ کرتے تھے' لیکن آج پتا نہیں کیسے وہ خود پہ ضبط نہ کر سکیں اور آ کر اسے بھیا کی گرفت سے آزاد کرایا۔

"تو بڑی سگی بنتی ہے اس کی۔ اپنا وقت یاد آ گیا ہو گا' اس لیے ہمدردی جاگ رہی ہے۔" بھیا نے سب کے سامنے اس قدر جاہلانہ انداز میں ان کی بے عزتی کی مگر وہ سہہ گئیں۔

"ہاں' میں سگی نہیں۔ آپ تو سگے ہیں۔ اسے جانتے ہیں' پہچانتے ہیں پھر ایک باہر کے بندے کی حرکت پہ سیخ پا ہو کر اسے کیوں ٹارچر کر رہے ہیں۔"

"بھابھی! آپ کچھ نہیں جانتیں۔ باہر کے بندے کی ہمت بغیر وجہ کے نہیں بڑھتی' جب تک کہ گھر کی بیٹی ہی گھر کی عزت کے درپے ہو کر اس کی حوصلہ افزائی نہ کرے۔"

"کیا قصور ہے اس کا۔ صرف یہ کہ اس نے ابو کی اجازت ملنے کے بعد وہ گفٹ لے لیا اور اس لڑکے کی غلطی کیا تھی' صرف یہ کہ اس نے یہ تحفہ سب لوگوں کے سامنے ضویا کو دیا' چھپ کر نہیں دیا۔ جیسے کہ احتشام اور حسام نے عینا کو دیے تھے۔" ان کے بھانڈا پھوڑنے پہ دونوں خجل سے ہو گئے جبکہ بڑے بھیا سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"ہاں' تحفے تو انہوں نے بھی عینا کو پیش کیے تھے مگر آپ سب سے اور ایک دوسرے سے بھی چھپا کر۔ البتہ عینا نے چھپانے کی کوشش نہ کی۔ درحقیقت اپنے بھائیوں کو ضویا کے لیے تحفہ خریدنے پہ آمادہ کرنے والی بھی وہی تھی۔ اسی نے کہا تھا کہ اگر احتشام اور حسام اس کے لیے گفٹ لا سکتے ہیں تو پھر جواب میں عمر اور عمیر کو بھی ضویا کے لیے کچھ لینا چاہیے' ورنہ برا لگے گا۔"

"اب وہ بے چاری کیا جانے کہ یہاں کسے کیا برا لگتا ہے۔ یہ سب باتیں اس نے میرے سامنے آنٹی سے کہی تھیں۔ ان دونوں نے اسے گفٹ بھلے ہی چھپا کر دیے تھے مگر وہ فخریہ اپنی ماں اور بھائیوں کو دکھا رہی

تھی کیونکہ اس کے دل میں کوئی چور نہ تھا‘ کوئی کھٹکا نہ تھا۔ چور ان کے دلوں میں تھا جو چھپ کر یہ تبادلے کر رہے تھے۔ نیت میں فتور ان کے تھا اس لڑکے کے نہیں جو سب گھر والوں کے سامنے اعلانیہ تحفہ دے رہا تھا۔"

"اب پتا چلا ہے رات کو ضویا کے منہ میں کس کی زبان تھی۔" احتشام سے یہ سچ برداشت نہ ہوا۔

"بھیا! یہ آپ کی بیوی ہیں جو گھر کا ماحول خراب کر رہی ہیں۔ بالکل ایسی ہی باتیں رات یہ لڑکی بھی کر رہی تھی۔ ضرور بھابھی ہی اسے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی رہیں‘ بھائیوں کے خلاف اکسا کر باغی بنا دیا ہے اس کو۔"

بھیا نے ضویا کو چھوڑ کر اپنی بیوی کو پکڑ لیا اور تابڑتوڑ طمانچوں سے اس کی تواضع کر دی۔ ضویا کی چیخیں نکل گئیں۔ امی بھی زاروقطار روتے ہوئے انہیں کھینچنے لگیں۔

"ہوش کرو انضمام‘ پاگل مت بنو۔"

"ہوش میں تو اب آیا ہوں۔ اس کی میرے ساتھ بنتی نہیں‘ میری پابندیاں اور اصول اسے قید اور سزا لگتے ہیں۔ اس سب کا بدلہ یہ بدنیت اس طرح لے رہی ہے کہ میری بہن کو خراب کر کے اس گھر کی عزت تباہ کرنے پہ تل گئی ہے۔"

وہ اب گھونسے اور لاتوں پہ اتر آئے۔ تینوں بھائی اطمینان سے کھڑے بھابھی کی یہ درگت دیکھ رہے تھے‘ بلکہ احتشام کے خیال میں تو ان کی تواضع اس سے بھی شاندار ہونی چاہیے تھی۔ آخر انہوں نے اس کا بھانڈا جو پھوڑا تھا۔

"بس ظلم مت کرو انضمام! وہ دوسرے جی سے ہے۔ کچھ ہو گیا تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ نہ اتنا ظلم کما میرے بچے۔" بالآخر امی ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگیں۔ بھیا نے بڑا احسان کرتے ہوئے ہاتھ روکا۔ امی ادھ موئی بھابھی کو سنبھالنے لگیں۔ ضویا کے حواس مختل ہو چکے تھے۔

"اور تو...." بڑے بھیا نے رہا سہا غبار ایک زوردار طمانچے کی صورت میں نکالا۔

"ہمیشہ میں نے تیرے ساتھ رعایت برتی۔ سوچا نرمی سے بات بن جائے تو اچھا ہے۔ پرائی امانت ہو حفاظت سے اگلے گھر جاؤ‘ اس لیے کبھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ اب محسوس ہوتا ہے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ شروع سے تمہیں کس کے رکھا ہوتا تو آج اتنے پر نہ نکلتے۔"

"ابھی بھابھی کے اس دعوے کی حقیقت کھل جاتی ہے‘ نیت اور بدنیت ہونے کی۔" حسام بھیا نے گفٹ کا ریپر کھولا۔ ایک ننھا سا کارڈ گرا۔ انہوں نے اٹھا کر بلند آواز میں پڑھا۔

"ٹو مائی ڈیئر سسٹ.... سس.... سسٹر....؟" وہ پڑھتے پڑھتے تعجب سے چلا اٹھے۔

"مائی ڈیئر عمیر ... سسٹر ضویا آپی.... فرام یور برادرز عمر اینڈ عمیر۔" ایک بار پھر دہرانے کے بعد انہوں نے گفٹ کو پیکنگ سے نکالا۔ ایک خوبصورت ٹیبل کلاک کے اوپر کندہ تھا۔

"مائی سسٹر از لائک این اینجل۔" (میری فرشتہ صفت بہن)

شرمسار سے انداز میں وہ گفٹ اور کارڈ وہیں پھینک کر باہر نکل گئے۔ حسام اور احتشام نے بھی ان کی تقلید کی۔ بڑے بھیا کچھ دیر تک بیڈ پر پڑے گفٹ کو گھورتے رہے پھر سامنے پڑے ٹیبل کو ایک ٹھوکر رسید کرتے ہوئے انہوں نے بھی نکلنے میں دیر نہ کی۔

ضویا نے ایک ایک کا چہرہ بغور کھوجا تھا۔ وہاں شرمساری ضرور تھی مگر صرف اپنے حوالے سے۔ اپنے اندازوں کے غلط ثابت ہونے کی خجالت‘ جھوٹا پڑ جانے کی شرمندگی۔ اگر وہ اس کے حوالے سے شرمندہ ہوتے تو ندامت کا اظہار کرتے‘ معذرت نہ سہی‘ دلاسا تو دیتے مگر انہوں نے تو منہ چھپا کر فرار کی راہ اختیار کی۔

اس رات ضویا نے نورین کو فون ضرور کیا مگر اپنے وعدے سے مکرنے کا اعلان کرنے کے لیے نہیں بلکہ اسے اور پکا کرنے کے لیے۔

☼ ☼ ☼

"کرتا کراتا کچھ نہیں بہانے سے پیسے بٹورنے آتے ہیں بس۔" ابوجی نے اس کے مطالبے پہ موڈ خراب کر لیا۔

"اس عمر میں‘ میں اگر محنت کرتا ہوں‘ کچھ کماتا ہوں تو صرف اپنے لیے‘ اپنی دوا اور علاج کے لیے تاکہ [illegible]وں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔ مروں تو جیب سے اتنی رقم نکل آئے کہ کفن دفن کا انتظام بغیر چندے کے ہو جائے۔ یوں آئے روز منہ اٹھا کے اپنے مطالبے میرے سامنے مت لایا کرو۔"

"تو کہاں جاؤں ابوجی! کس سے مانگوں۔"

"ساری عمر کیا مانگتے ہی رہو گے‘ اتنا نہیں ہوتا کہ دل لگا کر نوکری ڈھونڈو۔ کوشش کرو گے تو کچھ حاصل ہو گا۔"

"مانگنے پہ ایک ہزار روپیہ تک تو ملتا نہیں‘ ڈھونڈنے سے ہزار نوکریاں کہاں سے ملیں گی۔ میں بھی عیاشی کے لیے پیسے نہیں مانگ رہا‘ زائر کے پاجی نے اسلام آباد میں کہیں میری نوکری کی بات کی ہے۔ تقریباً پکی ہی سمجھیں۔ بس ایک انٹرویو تو دینا ہی ہو گا رسمی کارروائی کے طور پہ۔ مجھے صرف آنے جانے کا کرایہ دے دیں۔"

"میں تمہارے ڈھکوسلوں میں نہیں آ سکتا۔ جیسے تم خود‘ ویسے تمہارے دوست۔ خود تو بے کار بیٹھا کئی سالوں سے بے مقصد ڈگریاں لیے جا رہا ہے۔ خود کیوں نہیں کر لیتا نوکری۔ سب سمجھتا ہوں میں۔ صرف گھومنے پھرنے کے لیے پیسے ہتھیانے کا ایک طریقہ ہے یہ۔"

"ابو! پلیز.... میری بات کا یقین کریں۔" وہ روہانسا ہو گیا۔

زائر نے مکمل تسلی کرائی تھی کہ یہ جاب سو فیصدی اس کی ہے۔ پاجی کا بہت قریبی دوست تھا جس نے پکا وعدہ کیا ہے۔ مایوسی اور ناامیدی کے اس دور میں امید کی یہ کرن وہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"اچھا چلیں قرضہ جان کر دے دیں۔ جب نوکری مل جائے گی تب تو یقین آ جائے گا۔"

"تم اپنے اسی دوست سے قرضہ کیوں نہیں مانگ لیتے۔"

"مانگ سکتا ہوں مگر یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ وہ کیا سوچے گا۔ ہم لوگ اتنے ہی گئے گزرے ہیں کہ ضرورت کے وقت ہمارے گھر سے ہزار بارہ سو کی معمولی رقم بھی نہیں نکل سکتی۔"

"تو اس کی کسر رہ گئی تھی۔ اب ہم گئے گزرے بھی ہو گئے۔" ابوجی ایکدم کھڑے ہو گئے۔ وہ اب تک لڑکپن میں کھائے جانے والی ماروں کے خوف کے زیر اثر تھا‘ اس لیے دبک کے رہ گیا۔

"اور اگر تم نے اس کی ڈرامے بازیوں میں آ کر اسے روپے دیے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

وہ جاتے جاتے امی کو بھی دھمکا گئے۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد تک احد دل ہی دل میں کڑھتا رہا اور پھر آخری کوشش کے طور پہ امی کی منت کرنے کچن میں چلا آیا۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اب میرا ہاتھ اتنا کھلا نہیں کہ خرچے میں سے پس انداز کر کے رقم جمع کروں۔ گنے چنے روپے تمہارے ابو دیتے ہیں جن میں سے آنے آنے کا حساب انہیں ازبر ہے۔ مہوش نے بھی کچن کا بجٹ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ پہلے بچت کر کے جو کٹوتی کر لی تھی‘ اب اس کا بھی آسرا نہیں‘ ورنہ تمہارے ابو سے چھپا کر تمہیں ہزار ڈیڑھ ہزار دے ہی دیتی۔ میرے پاس تو زیور تک نہیں بچا کہ کچھ بیچ کر تمہارا مطالبہ پورا کروں۔"

"مطالبہ.... مطالبہ....." وہ تلخ ہو گیا۔

"صرف ہزار بارہ سو مانگنے کو آپ مطالبے کا نام دے رہے ہیں۔ دو سال ہوئے میں نے جیب خرچ کے نام پہ ہر ماہ وہ سات آٹھ سو تک لینا چھوڑ دیا ہے۔ کبھی آپ کو ترس آئے تو دوسرے تیسرے دن جیب میں بیس روپے ڈال دیتی ہیں۔ مجھے سگریٹ پان یا سینما کے لیے نہیں‘ نوکری کی خاطر انٹرویو پہ جانے کے لیے پیسے چاہئیں۔ ایک طرف آپ سب کو گلہ ہے کہ میں اب تک نوکری حاصل کرنے میں کامیاب کیوں نہیں

ہوا تو دوسری جانب اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکل رہا ہے، مگر کوئی مدد کرنے پہ تیار نہیں۔"

امی اس کے دھڑلے رونے سے بیزار ہو کر چادر لپیٹ کر گھر سے نکل گئیں۔

"احسن بھائی کو فون.... نہیں فون پہ تو وہ ویسے ہی انکار کر دیں گے۔ گھر آنے دو پھر بات کرتا ہوں۔ کل یا پرسوں ہر حال میں مجھے اسلام آباد پہنچنا ہے ورنہ.... ایک بار بھابھی سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔"

اسے امید تھی کہ احمق سی اور خود پسند بھابھی پہلے کی طرح اس کی باتوں میں آ کر کچھ تھوڑے بہت پیسے تو دے دیں گی۔ باقی احسن بھائی سے مل جائیں گے مگر بھابھی شاید اب محتاط ہو گئی تھیں۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو۔ بہت دھو کے کھا لیے میں نے تمہاری بھولی صورت سے۔ بھابھی ماں بھابھی ماں کہتے تم مجھے الو بناتے رہے۔ منہ پہ بھابھی ماں اور پیٹھ پیچھے... ہونہہ... سارا خاندان ہی دوغلا ہے، لالچی اور جھوٹا بھی۔"

"بھابھی!" وہ ضبط نہ کر سکا۔ "بات میری ہو رہی ہے، آپ امی ابو کو درمیان میں مت لائیں۔"

"ہائے ہائے بڑی غیرت اُڈ رہی ہے۔ اتنے آبرو والے ہو تو اپنی کمائی کا کھا کر دکھاؤ۔ بھائی کی روٹیاں توڑتے ہوئے تو شان نہیں گھٹتی۔"

وہ اسے ٹکا سا جواب دے کر واش روم میں بند ہو گئیں جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ جا سکتا ہے۔ مٹھیاں بھینچ کر اپنے اشتعال پہ قابو پاتا احد پلٹنے کو تھا کہ اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑی بھابھی کی گولڈ رنگ پر پڑی۔

"میرے پاس تو کوئی زیور تک نہیں بچا کہ بیچ کر تمہیں رقم لا دیتی۔"

امی کی بات اس کے دماغ میں گونجی۔ مقناطیسی انداز میں وہ آگے بڑھا۔ اگلے ہی پل انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اس انگوٹھی کو پہچانتا تھا۔ یہ امی کی تھی۔ امی نے اپنے زیور کا بڑا حصہ بجیا کو جہیز میں دیا تھا۔ باقی اس گھر کی تعمیر کے سلسلے میں بک گیا۔ صرف یہ ایک ہلکا سا سیٹ بچا تھا۔ ایک لاکٹ، ٹاپس اور انگوٹھی پر مشتمل ڈیڑھ تولے کا جو انہوں نے احسن بھائی کی شادی پہ ان کی دلہن کو منہ دکھائی میں دے دیا تھا۔

"یہ میری امی کی ہی ہے۔ میرے ابو کی کمائی کی اور بھابھی کے پاس زیور کی کیا کمی۔ جہیز کا بھی ہے۔ اس چند ہزار کی مالیت کی انگوٹھی کی کیا حیثیت ہے۔ میرا مقصد حل ہو جائے تو ایسی چار انگوٹھیاں بنوا کر بھابھی کو شکریے کے ساتھ لوٹا دوں گا۔"

اس نے دزدیدہ نظروں سے واش روم کے بند دروازے کی جانب دیکھا اور انگوٹھی جیب میں ڈال کر دبے پاؤں وہاں سے نکل گیا۔ اس کا رخ صرافہ بازار کی جانب تھا۔ انگوٹھی پورے تین ہزار میں بکی تھی۔ وہیں سے وہ سیدھا ریلوے اسٹیشن گیا۔ کل صبح سویرے کی سیٹ بک کروائی۔ اب گھر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

"مجھے بلا ٹل جانے تک گھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے۔ اب تک تو بھابھی نے گھر بھر سر پہ اٹھا لیا ہو گا۔ اسلام آباد جاتے ہی جاب ملنے کی خبر سناؤں گا تو سب اس بات کو بھول جائیں گے لیکن فی الحال نہیں۔"

اس نے رات زائر کے فلیٹ پر گزارنے کا فیصلہ کیا بلکہ اسے یہ سارا دن بھی وہاں چھپ کے گزارنا تھا۔"

☼ ☼ ☼

کالی جارجٹ کی عبا میں اس سے چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ سالوں سے ہلکی پھلکی مگر چوڑے گھیر والی چادر لینے کی عادی تھی۔ وہ عبا نورین نجانے کہاں سے لے آئی تھی جس میں انہوں نے خود کو چھپایا تو ضرور تھا مگر پردے اور حیا کی خاطر نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کی نظروں میں دھول جھونکنے کے لیے۔

گھر سے کالج کے لیے نکلتے ہوئے، کالج گیٹ کے پاس کھڑی نورین کے ساتھ سڑک پار کر کے کوچ کے اڈے تک پہنچتے ہوئے، ٹکٹ کٹا کر سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے، ضوبیا کے اندر مکمل خاموشی کا راج تھا۔ نہ کسی

posted by kausar56 for one urdu kausar56 one urdu

قسم کا ہیجان' نہ سنسنی' نہ خوف' نہ شرمندگی لیکن جیسے ہی کوچ سیالکوٹ سے روانہ ہوئی اس کے حواس قابو میں آنے لگے۔ اسے صحیح معنوں میں احساس ہونے لگا کہ وہ کیا کرنے جارہی ہے۔ اس نے بے چین ہوکر برابر بیٹھی نورین کا ہاتھ اپنی پسیجی ہوئی مٹھی میں تھام لیا جو اس کے برعکس قدرے مطمئن تھی۔

"نورین! ہم..... ہم غلط تو نہیں کر رہے۔" شاید یہ سوال اس نے نورین کے بجائے خود سے کیا تھا۔ اس کے اندر سے شدومد سے جواب آیا۔

"غلط' بہت غلط..... زندگی کی بھیانک ترین غلطی کرنے جارہی ہو تم۔" وہ اسی وقت واپس جانے کے لیے بے تاب ہوگئی۔

"نورین! اب بھی وقت ہے۔ چلو' واپس چلتے ہیں۔" کچھ دیر تک تو نورین نے اس کے ٹھوکے دینے اور سرگوشیوں بھرے اصرار کا جواب ڈھٹائی سے گول کردیا' پھراس کے مسلسل منمنانے پہ وہ زچ ہوگئی۔

"تنگ مت کرو ضویا! ہم اس وقت سیالکوٹ سے نکل آئے ہیں۔ یہ ڈرائیور ہمیں واپس اڈے تک تو پہنچانے سے رہا۔ ہاں اس ویران سڑک پہ ضرور اتار سکتا ہے' اگر ہم نے واپسی کا کہا۔ اس سڑک پہ دور دور تک رکشے' ٹیکسی کا کوئی امکان نہیں۔ کیا کسی ٹرک والے سے لفٹ لے کر جانے کا ارادہ ہے یا پھر یہاں سے ایسی ہی دوسری کوچز اور ویگنیں گزر رہی ہیں لیکن وہ اڈے کے علاوہ راستے میں سے مسافر نہیں بٹھاتے' چپ کرکے بیٹھی رہو' لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"میں نے کہاں نا" آواز بند رکھو۔ کسی کے کان میں بھنک پڑگئی تو خوامخواہ تنگ کریں گے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں' کچھ نہیں ہوتا۔ بس آدھا سفر تو سمجھو طے ہوگیا۔ بہت اسپیڈ سے چلا رہا ہے ڈرائیور۔"

"مجھے ڈر کے ساتھ ساتھ بہت عجیب سا محسوس ہورہا ہے۔ ایک مجرمانہ سی شرمندگی۔ اس طرح اتنے محبت کرنے والے ماں باپ کی عزت کو خطرے میں ڈالنا....." جواباً" نورین نے اسے اس بری طرح گھور کے دیکھا کہ وہ چپ کرگئی۔

"دیکھو ضویا! میں تمہیں اغوا کرکے نہیں لائی' پہلے سوچنا تھا یہ سب۔ اب اگر خود پہ کنٹرول نہ کیا تو خود بھی مروگی اور مجھے بھی مرواؤگی۔ بس چپ چاپ بیٹھی رہو۔"

ضویا بھی سمجھ گئی کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ وہ جس دلدل میں پیر ڈال چکی ہے' مزید ہاتھ پیر مارنے سے اور اندر تک دھنسنے کا خطرہ تھا۔ اس نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا اور سیٹ سے سرٹیک کر آنکھیں موندلیں۔

"یا اللہ! تو میری نیت جانتا ہے۔ میں نے یہ فیصلہ اپنے حواسوں میں نہیں کیا۔ تونے غصے کو اسی لیے حرام قرار دیا ہے' غصے کی حالت میں کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ اس وقت میں بھی غصے میں تھی۔ نہ میری نیت گناہ کی تھی' نہ میرے کردار میں جھول ہے۔ میں تو وقتی طیش کے زیر اثر صرف یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ اگر کوئی لغزش کرنے پہ آمادہ ہو اس کا دل گناہ اور بے ایمانی کی جانب مائل ہو تو وہ زنجیریں توڑ کر بھی اپنی من مانی کرسکتا ہے۔ میں نے اگر اپنے خاندان کی عزت اور باپ کے وقار میں کبھی کوئی کمی نہیں آنے دی تو اس کی وجہ میں خود ہوں' مجھ پہ لگائی پابندیاں نہیں۔ ہاں میں بہت غلط تھی اللہ میاں جی!" اس کی بند پلکوں کی باڑ سے آنسو جھر جھر بہنے لگے۔

"اللہ میاں جی! بس ایک بار مجھے معاف کردیں' میرا پردہ رکھ لیں۔ میں کتنی نادان ہوں' کس کا غصہ کس پہ نکال رہی ہوں۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اس کا سب سے زیادہ اثر کس پہ پڑے گا' میرے ابوجی اور امی جی پہ۔ اگر میری یہ حرکت سب کے سامنے ظاہر ہوگئی تو کیا ابوجی آئندہ کبھی میرے ماتھے پہ پیار کرسکیں گے' کیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس محبت بھرے بوسے سے محروم ہوجاؤں گی؟ کیا آئندہ کبھی امی سب کے سامنے میری ڈھال بن سکیں گی؟ کیا میں یہ سائبان ہمیشہ کے لیے کھودوں گی۔ نہیں اللہ میاں جی! مجھے خالی دامن نہ کرنا۔ یہ سوچ کر معاف کردینا کہ میری نیت میں گناہ شامل نہ تھا۔"

وہ دل ہی دل میں نجانے کتنی منتیں مان بیٹھی۔ یہ سفر اتنا طویل لگ رہا تھا کہ اس تصور سے ہی اس کے اندر وحشت بھرگئی کہ ابھی اسے اپنے گھر تک پہنچنے میں کئی گھنٹے باقی ہیں۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ پلک جھپکتے میں وہ ایک دم گھر پہنچ جائے۔

☼ ☼ ☼

شیر علی نے انہیں اڈے پہ ایک منٹ بھی انتظار کرنے کی زحمت نہ دی۔ وہ پہلے سے وہاں ٹیکسی لیے موجود تھا۔ فلیٹ کے اندر آنے پر بھی اس نے نورین کے کہنے کے باوجود حجاب چہرے سے نہ اتارا۔ وہ سر سے پیر تک عبا میں ملبوس ہونے کے باوجود شیر علی کی گہری نگاہیں اپنے وجود کے آرپار محسوس کررہی تھی۔ اس کا دل دھاڑیں مار مار کے رونے کو چاہ رہا تھا مگر وہ خود پر قابو پانے کی مسلسل کوشش کرتے ہوئے اس برے وقت کے لمحہ بہ لمحہ سرکنے کا انتظار کررہی تھی۔

ایک ہی کمرے کا فلیٹ تھا۔ وہ کہیں اور جاکر بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی اور نورین اور شیر علی کے جذباتی مکالمے بھی اسے سخت گراں گزر رہے تھے۔ اس نے خود کو ایک رسالے کی ورق گردانی کے ذریعے مصروف رکھنا چاہا مگر اس میں بھی سراسر ناکام رہی۔ پچھلے تین گھنٹوں سے وہ جس بے چینی میں گھری ہوئی تھی۔ اس سے پل بھر کے لیے دامن چھڑانا مشکل تھا۔

"چلو نورین! تمہیں اور تمہاری سہیلی کو لاہور گھمالاؤں۔ یہاں ایک پارک میں جشن بہاراں کے نام سے میلا لگا ہے۔ جھولے' بگھی کی سواری' خوب مزا آئے گا۔ کھانا بھی وہیں کھائیں گے اور تمہیں تمہاری پسند کی شاپنگ بھی کراؤں گا۔" وہ بات نورین سے کررہا تھا لیکن نظریں بار بار ضویا پہ بھٹک رہی تھیں۔ وہ شاید اس نازنین کی جلوہ آرائی کے لیے بے تاب تھا لیکن نورین نے جوش میں یہ سب محسوس ہی نہ کیا۔ وہ فوراً" چلنے کے لیے تیار ہوگئی لیکن ضویا نے سختی سے انکار کردیا۔ وہ تو پہلے ہی شیر علی کی نظروں اور باتوں سے فرار چاہتی تھی۔ یہاں سے تو جا نہیں سکتی تھی۔ اگر ان کے چلے جانے سے اسے کچھ دیر کی تنہائی مل سکتی تھی تو اسے اور کیا چاہیے تھا۔ اس کے انکار پہ نورین نے بھی مزید اصرار نہ کیا۔ شاید وہ بھی شیر علی کے ساتھ اکیلے وقت گزارنا چاہتی تھی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے دروازے کا لاک اچھی طرح چیک کیا۔ چہرے سے حجاب ذرا سرکایا اور گہرے گہرے سانس لے کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہا' لیکن دل کی پھانس تھی کہ کسی طرح نکل ہی نہ رہی تھی۔ اتنے میں نزدیک کسی مسجد سے اذان کی آواز گونجی تو وہ چونک گئی۔ فوراً" وضو کرکے اس نے ایک کونے سے جائے نماز بھی برآمد کرلی۔ شیر علی کے کمرے میں جائے نماز کی موجودگی بھی ایک حیرت انگیز چیز تھی۔

"اے اللہ! تو دل کے حال کو بہتر جانتا ہے۔ اگر میری لغزش قابل معافی ہے تو مجھے معاف کردے۔ اگر میری بدنیتی بھی اس میں شامل ہے تو اے رحیم و کریم! تب بھی مجھے معاف کردے۔ اپنی رحمانی کے صدقے مجھے بخش دے۔ میرے لیے بہتر کرنا میرے اللہ..... بہتر..... جو تیرے نزدیک بہتر ہو۔"

اس نے دعا مانگ کر ہاتھ اپنے بھیگے چہرے پہ پھیرے۔ نظر سامنے اٹھائی تو ایک اجنبی چہرے کو دروازے کے نزدیک ایستادہ پایا۔ اس اجنبی کے بھی کم و بیش وہی تاثرات تھے۔ ہاں ان میں استعجاب زیادہ تھا جبکہ ضویا کی حیرانی میں ایک خوف بھی کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

"تو..... تو کیا میرے اللہ نے میری توبہ..... میری معافی قبول نہیں فرمائی یا وہ مجھے کسی اور آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہے۔" وہ خشک ہوتے حلق کو تر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اگلے لمحے کا انتظار کرنے لگی۔ اس لمحے کا جو نجانے اس کے لیے کیا سمیٹے لا رہا تھا۔ مکمل تباہی..... رسوائی..... یا پھر..... کچھ اور.....

posted by kausar56 for one urdu

"آپ..... آپ کون.....؟" اس اجنبی نے اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔ ضویا اس سوال کی اس سے توقع نہیں کر رہی تھی۔ یہ سوال تو وہ خود اس سے کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ یہ سوال دہراتی یا اس کے سوال کا جواب دیتی۔ دروازے پہ ہونے والی زوردار دستک نے ان دونوں کو ہڑبڑا کے رکھ دیا۔

* * *

ٹکٹ خرید کر احد' زائر کے فلیٹ تک آیا۔ گھر والوں سے کل تک بچ کے رہنے کے لیے اس سے بہتر مقام اور کوئی نہ تھا۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ پچھلے دو سال سے وہ مستقل بلاناغہ زائر سے ملنے اس فلیٹ تک آتا تھا' گھر والے یہ بات جانتے تھے کہ اسی مارکیٹ کی کسی بلڈنگ میں احد کا دوست رہائش پذیر ہے مگر نہ تو وہ فلیٹ نمبر جانتے تھے' نہ ہی بلڈنگ کا نام اور اس گنجان آباد اور پررونق مارکیٹ میں بنی درجنوں بلڈنگز میں رہائش پذیر سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد میں سے کسی ایک کو نامکمل سے نام کے سہارے ڈھونڈنا ناممکن سی بات تھی۔

اگر وہ ایسی کوشش کر بھی لیں تو اتنی جلدی کامیاب نہ ہوں گے۔ ابھی تو شام تک ابو اور احسن بھائی گھر آئیں گے' تب جا کر بھابھی میری شکایت لگا سکیں گی۔ کچھ دیر تک تو بحث مباحثہ اور گرماگرمی ہوگی۔ میرا انتظار کیا جائے گا۔ رات گیارہ بجے کے بعد بھی اگر میں گھر نہ پہنچا' تب میری تلاش کے بارے میں سوچا جائے گا لیکن اتنی رات کو وہ لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانے کے تو زائر کا پتا پوچھنے سے رہے۔ تھک ہار کر صبح کا انتظار کیا جائے گا اور صبح سویرے کی ٹرین سے میں لاہور سے نکل چکا ہوں گا۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میں انہیں فون کر کے خوشخبری سنا دوں گا پھر ایسی معمولی سی انگوٹھی کے بارے میں ان کی تشویش کیا معنی رکھے گی۔ اسٹارٹ سے ہی پندرہ ہزار تنخواہ' فرم کی جانب سے اسلام آباد میں ہی رہائش اور گاڑی..... سارے شکوے دور کر دوں گا امی اور ابو کے۔"

وہ دل ہی دل میں پلان بناتا ڈپلی کیٹ چابی سے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو جائے نماز پہ سجدے میں گرا وہ نسوانی وجود اسے بری طرح چونکا گیا۔ اس کے چونکنے کی وجہ ایک لڑکی کا فلیٹ میں ہونا نہیں تھا۔ اگر اب تک وہ صرف زائر کا فلیٹ ہوتا تو وہ صرف حیران ہی نہ ہوتا بلکہ مارے حیرت کے فوت ہو جاتا لیکن شیر علی کے آنے کے بعد وہ یہاں کسی بھی بات کی توقع کر سکتا تھا۔ اس کے حیران ہونے کی وجہ اس لڑکی کا حلیہ اور اس کا جائے نماز پہ حالت نماز میں ہونا تھا۔ وہ ذرا سا اور آگے بڑھا۔ سیاہ عبا کے ہالے میں لپٹا اس کا پاکیزہ اور معصوم چہرہ مکمل طور پر آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ باقاعدہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی پھر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ ہچکیوں کی زد میں آیا اس کا لرزیدہ وجود اور مرتعش آواز احد کو دروازے کے قریب ہی سحر زدہ سا کر کے باندھ گئی۔ دعا میں چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ کسی لڑکی جیسی نہیں جیسی کہ شیر علی کو دوستی کرنے کے لیے دستیاب ہو جاتی تھی۔ وہ شاید کسی غلط فہمی کی وجہ سے یا انجانے میں وہاں آ گئی تھی اور اب خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ اس کی گریہ زاری احد کے دل پہ بوجھ بن کر گرنے لگی۔

"اے اللہ! میرے لیے وہ کرنا جو تیرے نزدیک میرے لیے بہتر ہو۔"

اتنا کہہ کر اس نے ہاتھ آمین کے ساتھ چہرے پہ پھیرتے ہوئے اپنے متورم پپوٹے اٹھائے تو سامنے اسے پا کر ڈنک کھا کے اٹھی۔

"تم..... آپ..... آپ کون؟" احد بہت مشکل سے اتنا کہہ پایا جبکہ وہ کوشش کے باوجود اتنا بھی کہہ سکنے کے قابل نہ تھی۔ اس کی دگرگوں حالت بتا رہی تھی کہ وہ اتنی "کھلی" ہوئی نہ تھی کہ ایک اجنبی مرد کے سامنے خود کو تنہائی میں پا کے بات چیت کرنے کی ہمت کر سکے۔ قریب تھا کہ وہ غش کھا کر گر جاتی' دروازے پر ہونے والی زوردار دستک نے دونوں کو ہڑبڑا کے رکھ دیا۔

دستک دینے کا انداز نہ تو زائر کا تھا' نہ ہی شیر علی۔ احد یہ بھی جانتا تھا کہ ان دونوں کے پاس ڈپلی کیٹ چابی ہوتی ہے' اس کے باوجود ہڑبڑاہٹ میں وہ فوراً دروازہ کھول بیٹھا۔ سامنے ایک ہجوم نظر آیا۔ آشنا اور ناآشنا چہروں کا۔ سامنے والے فلیٹ میں رہنے والے صوفی جی' برابر کے فلیٹ والی عمر رسیدہ نرس' دائیں طرف والی اسٹیٹ ایجنسی کے چند ورکرز..... اور دو پولیس کی وردی میں ملبوس افراد..... ایک لیڈی کانسٹیبل بھی موجود تھی۔ احد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ آن کی آن میں وہ سارا معاملہ سمجھ گیا اور اس معاملے میں اپنی پوزیشن محسوس کرتے ہی اس کے حواس بھی جواب دے گئے۔ ایک کانسٹیبل نے دھکا دے کر پیچھے کیا۔

"اوئے چل' لگ کونے میں....."

"وہ رہی لڑکی....." نرس نے ہاتھ کے اشارے سے سب کی توجہ برآمدے کے آخری کونے میں کھڑی اس حواس باختہ لڑکی کی جانب مبذول کروائی جو دیوار سے لگی' تھر تھر کانپتے وجود کے ساتھ خود پہ گزرنے والی قیامت کی تباہ کاریاں دیکھ رہی تھی۔ اس نے جائے نماز کو سینے سے بھینچ رکھا تھا۔ چہرے پہ آنسوؤں کے نشان اب بھی واضح تھے۔

"ایک لڑکی اور بھی تھی' میں نے خود دو لڑکیاں اندر آتے دیکھی تھیں۔" صوفی جی نے گواہی دی۔

"آپ میری بات سنیں....." احد نے خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"سن لیں گے تیری بھی شہزادے! پہلے دوسری لڑکی باہر نکال اور تو اکیلا ہے یا دوسرے یار بھی چھپائے ہوئے ہیں۔" انسپکٹر نے اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکے دیے۔ اتنے میں حوالدار اکلوتے کمرے کا جائزہ لے آیا۔

"سر اندر اور کوئی نہیں۔"

"یعنی ایک ہی تتلی تھی..... ہوں..... سچ سچ بتا لڑکے..... دوسری تتلی کہاں اڑائی ہے۔"

اس کا زوردار تھپڑ احد کے چہرے پہ لگا۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پہ گرا۔ انسپکٹر کے آگے بڑھنے پر دروازے میں کھڑے لوگ بھی اندر آ گئے۔ ہر کوئی اپنی اپنی کہنے لگا۔ لیڈی کانسٹیبل نے ضویا سے اپنے مخصوص اسٹائل میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔ اس کی سسکیاں' آہوں اور آہیں' چیخوں میں بدل گئیں۔ وہ سر پہ ہاتھ رکھ کر زمین پہ گھٹنے کے بل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر پکارنے لگی۔

"یا اللہ..... امی جی..... ابو جی....."

"کیا ہے اس کے ہاتھ میں....." لیڈی کانسٹیبل نے اس کی بازوؤں سے کچھ کھینچنے کی کوشش کی۔

"توبہ' صورت دیکھو اور کچھن....." نرس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"پردہ تو ایسے کر رکھا ہے جیسے بڑی حاجن' نمازن ہو۔"

"پردے اور برقعے کو بدنام کر کے رکھ دیا ہے ایسی عورتوں نے پہلے اچھے گھروں کی بیبیاں حیا سے پردہ کرتی تھیں' نامحرم کی نظروں سے خود کو چھپانے کے لیے اور اب ان جیسی بدقماش عورتوں نے پولیس اور شرفاء کی نظروں میں دھول جھونکنے کے لیے پردے کی آڑ لینا شروع....."

"جائے نماز....." انسپکٹر حیرت سے لیڈی کانسٹیبل کے ہاتھ میں وہ چیز دیکھ رہا تھا جو وہ روتی بلکتی ضویا کی گرفت سے نکال کر دکھا رہی تھی۔ اس نے اپنی تجربہ کار اور زمانہ شناس نگاہیں اس لڑکی پہ مرکوز کیں جو اس وقت انتہائی مشکوک حالت میں یہاں موجود تھی۔ اس کا چہرہ کہیں سے بھی اس بات کی چغلی نہیں کھا رہا تھا کہ وہ ایسے کردار کی ہو سکتی ہے۔ نہ ہی اس کے آنسو پکڑے جانے پر چوروں کے بہائے ہوئے آنسو تھے۔ اس نے ایک بار پھر اپنے ساتھ آئے لوگوں کی طرف رخ کیا۔

"یہ چکر کیا ہے بی بی؟ کہیں تم نے غلط اطلاع دے کر کوئی دشمنی تو نکالنے کی کوشش نہیں کی؟" اس کا سوال عمر رسیدہ نرس سے تھا جو فوراً چمک کے بولی۔

"ہماری ان لونڈوں سے کیا دشمنی اور یہ کوئی پہلا واقعہ تو نہیں' پچھلے کچھ عرصے سے اس فلیٹ پہ

مشکوک سرگرمیاں جاری ہیں۔ آئے روز کوئی نہ کوئی لڑکی جاتی یا نکلتی دکھائی دیتی ہے۔ چھڑے لڑکوں کے فلیٹ میں جوان فیشن زدہ لڑکیوں کا کیا کام؟ اور اندر سے قہقہوں' گانے بجانے کی آوازیں بھی آتی رہتی ہیں۔ آپ بے شک ان دوسرے پڑوسیوں سے تصدیق کرلیں۔"

"کیوں لڑکے' کون ہے یہ..... کیا لگتی ہے تیری؟" انسپکٹر نے زمین پہ گرے احد کو ایک اور ٹھوکر ماری۔ وہ نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"ہوں جی' ہو گئی تسلی۔ کوئی سگی نہیں ہے یہ اس کی..... ہوگی کوئی بازاری عورت۔" کسی نے انسپکٹر کو جتایا۔ رہی سہی کسر کمرے میں مزید تلاشیاں لیتے کانسٹیبل نے پوری کردی۔ وہ شراب کی کچھ بھری کچھ آدھی خالی بوتلیں لیے برآمد ہوا۔

"سر یہ اندر سے برآمد ہوئی ہیں۔ چرس کے بھرے سگریٹ بھی کافی تعداد میں موجود ہیں اور بلیو پرنٹ بھی۔"

احد جو پہلے ہی ہمت ہارے زمین پہ وجود گرائے پڑا تھا اور بھی ڈھے گیا۔ ضویا کے آنسو بھی ایکدم تھم سے گئے۔

"پکا پکا حدود آرڈیننس کا کیس ہے۔" انسپکٹر کے الفاظ وہ آخری الفاظ تھے جو اس نے مکمل ہوش و حواس میں سنے اور اس کا بے ہوش وجود ایک جانب لڑھک گیا۔

"کون ہیں یہ لوگ؟" انسپکٹر نے دروازے پہ کھڑے ہجوم کو چیر کر اندر آنے کی کوشش کرتے والے زائر اور اس کے پاءجی کو دیکھ کر پوچھا۔

"یہ میرا فلیٹ ہے سر!" زائر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"یہ میرا دوست احد ہے۔ اس کا اس فلیٹ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ فلیٹ میں اور میرا کزن شیر علی شیئر کرتے ہیں جو اس وقت یہاں موجود نہیں اور میرا خیال ہے یہ ساری صورتحال اس کی پیدا کردہ ہے۔ یہ لوگ جو یہاں آپ کو لائے ہیں۔ اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں صبح کا یونیورسٹی کے لیے نکلا شام کو واپس آتا ہوں۔ آپ میری کیمپس کے ریکارڈ میں حاضری چیک کرسکتے ہیں۔ ویسے بھی میں اس فلیٹ میں دو سال سے زائد عرصے سے ہوں' کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملا۔ یہ ساری گڑبڑ تب سے ہے جب سے شیر علی نے اس فلیٹ میں رہنا شروع کیا۔ میں اپنی نصابی مصروفیات کی وجہ سے اس حقیقت سے بے خبر رہا۔ مجھے اس جانب متوجہ کرنے والا بھی احد ہی تھا۔ میرا قریبی دوست ہونے کی وجہ سے اس فلیٹ کی ڈپلی کیٹ چابی اس کے پاس رہتی ہے مگر وہ یہاں صرف میری اجازت سے آتا ہے۔ آج بھی میں نے ہی اسے یہاں آنے کے لیے کہا تھا۔ مجھے شیر علی کی حرکات مشکوک لگ رہی تھیں' اس لیے جائزہ لینے یہاں بھیجا۔"

زائر نے جلدی جلدی بیچ میں مصلحتاً کچھ جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے وضاحت کی۔ چونکہ اس کے بیان کی تردید وہاں گواہی کے لیے آئے کسی شخص نے نہ کی' اس لیے انسپکٹر نے یقین کرنے میں دیر نہ کی۔ البتہ ابھی وہ اتنی آسانی سے سارا قصہ نہ سمیٹ سکتا تھا۔

"اور یہ لڑکی..... اسے جانتے ہو۔ اگر احد تمہارے کہنے پہ آیا' یہ لڑکی کس کے کہنے پہ یہاں آئی۔ وہ شخص جو تمہاری نظروں میں مشکوک ہے' وہ تو اس وقت کہیں نظر نہیں آرہا۔"

اس سوال کا جواب زائر کے پاس تھا نہ احد کے پاس۔ پاءجی نے انسپکٹر کو قائل کرنے کی ایک اور کوشش کی لیکن اس نے فیصلہ سنا دیا۔

"تھانے جائے بغیر تو آپ کی خلاصی نہیں ہو سکتی اور آپ..... سنیے..... آپ اس لڑکی کو ہوش میں لانے کے لیے ہماری کانسٹیبل کی مدد کریں۔"

اس نے نرس کی خدمات طلب کیں۔ ابھی وہ اپنے ماتحت کو وہاں رک کر دوسرے شخص کا انتظار کرنے کا کہہ کر بلڈنگ کے چیدہ چیدہ شرفاء کو لے کر تھانے کے لیے نکل ہی رہا تھا کہ زائر چیخا۔

"سر وہ..... وہ دیکھیں شیر علی..... وہ رہا۔"

شیر علی نورین کے ساتھ ڈھیروں شاپنگ بیگ اٹھائے سیڑھیاں چڑھنے کو تھا کہ کسی غیر معمولی احساس کے پیش نظر اس نے یونہی نظر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ گولائی میں گھوم کے جاتی تنگ سیڑھیوں کے اوپر دس پندرہ لوگوں کا ہجوم عین اس کے فلیٹ کے سامنے تھا اور جیسے ہی اس نے احد کو ایک پولیس والے کے نرغے میں پریشان پایا تو معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں اسے دیر نہ لگی۔ اس نے نورین کا ہاتھ تھاما اور پلٹنے کو تھا کہ زائر کی نگاہوں کی زد میں آگیا۔ مستعد کانسٹیبل نے پلک جھپکتے میں سیڑھیاں اتر کر اسے فرار ہونے سے پہلے ہی دبوچ لیا۔ اس کے بعد احد کے لیے دوسرے مرحلے آسان ہونے میں وقت نہ لگا۔ جبکہ ضویا..... اس کے لیے؟

☼ ☼ ☼

اسلام آباد کے اس قدرے متوسط..... مگر بارونق علاقے پشاور موڑ میں بنا ہلکے سبز رنگ کی دیواروں' سبز شیشے والی کھڑکیوں اور لائٹ براؤن گیٹ والا یہ پانچ مرلے کا خوبصورت گھر میرا ہے..... میرا..... احد علی کا..... اور ضویا علی کا..... اور ہاں..... مرتضیٰ احد کا بھی تو ہے۔ جو اس گھر کا مکین بس سات ماہ پہلے بنا ہے۔ اس گھر کا جس کا مکین بنے ہمیں بھی فقط چودہ ماہ ہوئے ہیں۔

"احد' مرتضیٰ کے ڈائپرز ختم ہو رہے ہیں۔ مجھے یاد کرا دیجیے گا۔ یہ نہ ہو ہمیشہ کی طرح مارکیٹ سے گھوم پھر کر آجائیں اور ضروری اشیاء بھول جائیں۔"

یہ با آواز بلند یاد دہانی' میری چہیتی بیگم ضویا علی نے کرائی ہے۔ جو اس وقت کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی ہے' آج چھٹی کا دن ہے اور وہ اس دن ایسے ہی صبح سے کام میں جت کر مجھے مزیدار سا لنچ کراتی ہے۔ بدلے میں' میں شام کو اسے آؤٹنگ پہ لے جاتا ہوں۔ چھٹی والے دن یہ ہم دونوں کی واحد تفریح ہوتی ہے۔ اس کی بھی اور میری بھی۔

میری یہ کہ مجھے اسلام آباد کے دوسرے کونے میں اپنے آفس میں جو لنچ کے نام پہ روکھے پھیکے اسنیکس چائے کے ساتھ نگلنا ہوتے ہیں ان کے بجائے پلاؤ' بریانی' پسندے' روسٹ وغیرہ میرے لیے عیاشی ہی تو ہے اور وہ بھی ایسی دلربا سی بیوی کے خوبصورت اور پیار بھرے ہاتھوں سے تیار کردہ۔

اور اس کی یہ کہ..... میکے اور سسرال سے دور..... الگ' بالکل کٹ کر۔ ایک ایسے شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے جو صبح کے نو بجے سے لے کر شام کے چھ بجے تک کا وقت آفس میں گزارتا ہے اور رات کو تھکن کے مارے کہیں نکلنے کے لیے تیار نہیں ہوتا..... ہفتے کے اس ایک دن کی شام کو خوش گوار طریقے سے گزار لینا ایک عیاشی ہی تو ہے۔

میں نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز آہستہ کی۔ میرے پیٹ پہ سر رکھ کے اپنے ٹیڈی بیئر سے کھیلتا مرتضیٰ اب اونگھ رہا تھا۔ میں نے احتیاط سے اسے تکیے پہ لٹایا۔ اور اس کے ماتھے پہ پیار کیا۔ میرے اندر دور تک سکون ہی سکون پھیل گیا۔ اپنے اس مختصر مگر خوبصورت گھر کے ہر کونے پہ ایک نظر ڈالتے ہوئے یہ سکون رفتہ رفتہ بڑھتا ہی گیا۔

اس دھیمے اور ٹھنڈے رنگ کے امتزاج والے بیڈ روم میں مرتضیٰ کے شوخ رنگوں والے کھلونے' گولڈن چمکتا دمکتا بے بی کاٹ اور ننھی ننھی کھلکھلاتی قلقاریاں زندگی سے بھرپور تازگی کی آمیزش کرتی ہیں۔ اگرچہ کمپنی کی جانب سے ملے اس گھر میں دو بیڈ روم تھے۔ لیکن میرے کہنے کے باوجود ضویا نے دوسرے کمرے کو مرتضیٰ کے لیے سیٹ نہ کیا۔ اس کا اپنا ہی نظریہ تھا۔

"نہیں احد! مرتضیٰ کو میں ابھی اتنی جلدی' اپنی آغوش کی گرمی سے دور نہیں کرنا چاہتی۔ میرے یہ دن' یہ تمام راتیں ان پہ مرتضیٰ کا مکمل حق ہے۔ کم از کم چھ سات برس کی عمر تک وہ یہیں ہمارے پاس اسی کمرے میں رہے گا۔"

دوسرا بیڈ روم فی الحال گیسٹ روم پلس اسٹڈی روم تھا۔ گیسٹ روم اس لیے کہ کبھی کبھی کوئی بھولا بھٹکا

مہمان اسی کمرے کے سنگل بیڈ پہ آرام کرتا اور اسٹڈی روم اس لیے کہ اس کے ایک کونے میں رائٹنگ ٹیبل اور کمپیوٹر رکھا تھا۔ اور بھی بہت کچھ تھا میرے گھر میں ضویا کی ہنرمندی اور سلیقے کی چھاپ لیے اس کے علاوہ۔۔۔۔

مختصر سے پورچ میں کھڑی میری سیکنڈ ہینڈ مہران۔

یہ سب میں نے ایکدم حاصل نہیں کیا تھا' ان سب کے لیے مجھے خاصا انتظار کرنا پڑا تھا۔ تعلیم مکمل کرلینے کے بعد پورے ڈھائی سال تک ملازمت کے لیے جوتیاں چٹخاتے پھرنے کا تجربہ کیا ہوتا ہے' اس کا اندازہ صرف وہی نوجوان کرسکتے ہیں جو میری طرح اس دور سے گزر چکے ہوں۔ مجھ جیسے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے فرد سے وابستہ تمام لوگ بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے میرے ماں باپ بھائی بہن تھے۔

وہ بھی مجھ سے پیار کرتے تھے جیسے کہ سبھی کے ماں باپ کیا کرتے ہیں لیکن ہمارے طبقے میں توقعات زیادہ ہوتی ہیں' محبت کا اظہار کم۔ یہ امیدیں اتنی زور آور اور قد آور ہوتی ہیں کہ پیار ان کی اوٹ میں ذرا چھپ سا جاتا ہے۔ جب یہ امیدیں پوری ہوتی نہ نظر آئیں تو جھنجلاہٹ رفتہ رفتہ بیزاری میں بدلتی جاتی ہے۔ اس میں قصور توقعات رکھنے والوں کا ہوتا ہے نہ توقعات پر پورا نہ اترنے والوں کا۔ یہ سارا کھیل تو حالات کا ہوتا ہے جن سے وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ حالات ان سے صبر۔۔۔۔ برداشت اور مناسب وقت کا انتظار کرنے کا حوصلہ چھین لیتے ہیں۔

یہی میرے ساتھ ہوا تھا۔ احسن بھائی نے اپنی شادی کے بعد جس طرح پینترا بدلا تھا' امی اور ابو دونوں نے اپنی باقی ماندہ عمر کی ساری امیدیں مجھ سے باندھ لی تھیں۔ وہ نہایت بے چینی سے میرے ثمر آور ہونے کا انتظار کررہے تھے۔ ان کی یہ بے چینی ان کے ہر ہر انداز سے چھلک رہی تھی اور میں چڑ جاتا۔ مجھے اپنے ناکارہ ہونے پہ اور غصہ آنے لگتا۔ اپنا آپ ان کے سامنے لے جاتے ہوئے ایک شرمندگی سی آن گھیرتی۔ ایسے میں اگر وہی خود پہ قابو پاکے مجھے سنبھال لیتے تو آج شاید میری زندگی میں سب کچھ اور بھی بہتر ہوتا۔ ہاں' بہتر تو اب بھی ہے' تب شاید بہترین ہو[تا]۔ امی میری شرمندگی کو اپنی آغوش کی گرمی میں سمیٹ [کر] میرے حوصلے بڑھا دیتیں تو راستہ اور بھی سہل ہو جا[تا]۔ ابو انگلی تھام کر راہ بتاتے تو میں منزل پہ وقت سے پہلے پہنچ جاتا مگر ایسا نہ ہوا۔ مجھ سے محبت کی وہ حرار[ت] چھنتی جارہی تھی میں ایک سرد جھیل میں ڈوبتا جارہا تھا۔ میرا گھر میرے لیے ایک سرد جھیل تھا۔

ضویا بھی کسی سرد جھیل کی باسی تھی۔

شاید ہمارا میل ایسے ہی لکھا تھا۔

سرد جھیل نے اس کے بھی دل پہ برف جمادی تھی اور میرے بھی۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی جم چکی تھیں اور میرے اندر سے بھی برے بھلے کی تمیز منوں برف تلے چھپ گئی تھی۔ وہ بغیر سوچے سمجھے گھر سے نکل پڑی اور میں نے بغیر نتائج کی پروا کیے بھابھی کی انگوٹھی چرالی۔ وہ گھر سے فرار چاہتی تھی۔ چاہے چند گھنٹوں کے لیے ہی سہی۔

اور میں۔۔۔۔ میں اپنے جینے کی کوئی سبیل چاہتا تھا۔ چاہے کسی بھی طریقے سے۔۔۔۔ کسی بھی طرح میں یہ ملازمت ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

طریقہ اس کا بھی غلط تھا۔۔۔۔ میرا بھی۔

لیکن چونکہ ابھی ہمارے دلوں پہ صرف برف جمی تھی' سیاہی نہ پھیلی تھی' اس لیے اللہ نے ہمیں بھٹکنے سے بچالیا۔ ہمیں نہ صرف بخش دیا بلکہ انعام کے طور پر ایک دوسرے کی ہمراہی بھی بخش دی۔ اس کا شکرانہ ادا کرتے ہم دونوں نہیں تھکتے اور کیوں نہ شکر ادا کریں۔ کیا یہ ہماری توقع سے۔ بہت زیادہ نہیں؟

اس دن' ان بد ترین حالات میں گھرے کیا ہم دونوں یہ تصور بھی کرسکتے تھے کہ وقت ہمارے حق میں کروٹ لے سکتا ہے۔

اگرچہ زائر نے بروقت آکر بہت سی باتیں واضح کردی تھیں۔ شیر علی کے پکڑے جانے سے بھی میری پوزیشن صاف ہوگئی تھی۔ زائر کے پاپا جی نے بلڈنگ کے دیگر مکینوں سے مذاکرات کرکے پرچہ واپس لینے پہ بھی مجبور کردیا تھا' اس طرح شیر علی پہ حدود کا مقدمہ بنتے بنتے رہ گیا۔ شاید انہوں نے اس سلسلے میں

تعلقات، سفارش اور رشوت سے بھی کام چلایا ہو۔ جرم اگرچہ شیر علی کا تھا لیکن پرچہ کٹ جانے کی صورت میں زائر بھی زد میں آسکتا تھا اور میں تو ویسے بھی اس میں ملوث ہوچکا تھا، اس لیے بات کے دب جانے سے ہم سب کو فائدہ ہی پہنچا۔

لیکن جب بات میرے گھر تک پہنچی تو احسن بھائی نے اسی وقت مجھ سے لاتعلقی کا اعلان کردیا۔ ان کی بیوی اب تک پورے خاندان میں یہ مشتہر کرچکی تھیں کہ میں نے یعنی ان کے آوارہ، شرابی، نکمے اور لفنگے دیور نے ان کا زیور چرالیا ہے۔ ابو جی تھانے تک آئے ضرور...... اور صلح صفائی...... سمجھوتے کی ساری کارروائی ان کے سامنے ہی ہوئی...... سوائے انگوٹھی کی چوری کے۔ میں باقی ہر معاملے میں بے گناہ ثابت ہوچکا تھا۔ اس کے باوجود اگلی صبح تک کے اخبارات میں میرا نام "اعلانِ لاتعلقی" کے اشتہار میں چھپا ہوا تھا۔ امی کے مطابق ایسا انہوں نے احسن بھائی کے دباؤ پہ کیا تھا۔ میں نے مان لیا...... ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ایک بیٹے کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد وہ دوسرے سے بگاڑ کیسے پیدا کرتے۔

میں اس اشتہار کے بعد سخت دل برداشتہ تھا۔ زائر کے سمجھانے پہ میں اس سے اگلے روز اسلام آباد چلا گیا۔ مجھے ملازمت مل گئی تھی۔ میں خود کو گھر فون کرنے سے نہ روک سکا لیکن احسن بھائی نے مجھے کسی سے بات نہ کرنے دی۔ میں یہ خوشی کسی کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ میں نے زائر کو فون کیا، وہ اپنے گھر سیالکوٹ جاچکا تھا۔ میں اس کے پاء جی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا تھا، جنہوں نے مجھے یہ ملازمت دلوانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہیں زائر سے پتا چلا کہ پاء جی ابھی تک ضویا کے گھر والوں کو اس بات پر رضامند کرنے میں مصروف ہیں کہ وہ اپنے گھر کی بیٹی کو معاف کرکے اسے پھر سے اپنی پناہ میں لے لیں۔

"ضویا؟" اس دو دن کے عرصے میں، میں اس لڑکی کو تو بھول ہی گیا جس کے بارے میں شیر علی کے ذریعے اسی رات پتا چل گیا تھا کہ وہ بھی میری طرح حالات کے چکر میں پھنس کر چکرائی ہوئی ہے۔

"ہاں وہی ضویا، جو دوستی کے ہاتھوں اتنا بڑا... بیٹھی۔ نورین کے گھر والوں نے بھی اس کا... نہیں کیا۔ اس کے ابا اس کا گلا گھونٹ دینے... مگر خاندان والوں نے بیچ میں پڑ کر سمجھایا کہ... امانت ہے، ان کے سپرد کرو۔ وہ جانیں، ان... اس کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی ہے۔ اگلے... نکاح اور رخصتی ہے لیکن ضویا کا مسئلہ حل... ہورہا۔ اس کے بھائی اسے لے جانے پہ تیار... کے نزدیک اس کا جرم قابلِ معافی نہیں۔ وہ... گھر سے بغیر اجازت باہر نکلی، ایک اجنبی مرد... رکی بلکہ پولیس تھانے کے چکر میں بھی پڑی... انتہائی قابلِ اعتراض الزام میں۔ وہ اب تک... گھر میں ہے اور اس کی حالت بہت خراب... رات تو اس نے خودکشی کی بھی کوشش کی۔"

میرے تصور میں اس کا پاکیزہ چہرہ آگیا۔ میں... صدقِ دل سے اس کے لیے دعا کی۔ وہی دعا... مانگتے ہوئے میں نے سنا تھا۔

"اے اللہ! اس لڑکی کے لیے وہ کرنا جو اس... میں بہتر ہو۔"

اگلے دن پھر سے زائر کا فون آیا۔

"احد! ضویا کے والد انتقال کرگئے۔ ان... غم برداشت نہ ہوا۔"

"اوہ...... بہت افسوس ہوا...... اور وہ ضویا...... گھر چلی گئی؟"

"نہیں، اس کے بھائی سخت ہٹ دھرم اور... ہیں۔ اس موقع پر بھی اسے لے جانے پہ تیار... اس کے قریبی رشتے دار تک اسے رکھنے کے... نہیں ________ اس کی... نے ہاتھ جوڑ کے التجا کی ہے کہ اسے ہم اپنے پاس رکھ لیں۔"

"تو اس میں حرج کیا ہے، یہ تو ثواب کا کام..."

"ہاں لیکن...... تم نہیں سمجھتے یار! ایک پرائی... ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے، اس لیے ابا جی... ہے اگر اللہ نے اس بے چاری لڑکی کی ذمہ داری ڈالی ہے تو ہمیں جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش...

...ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ......" وہ کچھ کہتے ہوئے... اٹک گئے۔

"احد! تم اس لڑکی ضویا سے شادی کرلو۔ اسے... کی ضرورت ہے اور تمہیں ساتھی کی۔"

...وں نے بغیر تمہید کے اپنا مطالبہ میرے سامنے... یا۔ میں نے بھی صرف لمحہ بھر رک کر سوچا اور... ی۔ دو دن کے اندر اندر ہمارا نکاح ہوا اور میں... اسلام آباد آگیا مگر اکیلا...... میری درخواست پہ ابو... دونوں میرے نکاح میں شریک ہوئے۔ وہ مجھے... معاف کرچکے تھے۔ ان کا رہا سہا غصہ بھی میری... کی کامیابی نے ختم کردیا۔ ان سے کی گئی اپنی... کے ازالے کی خاطر میں ضویا کو وہیں ان کے... آیا۔

"...یہ آپ کی خدمت کرے گی۔"

...نے بھی میرے فیصلے سے اختلاف نہ کیا۔ نئی... مت تھی۔ میں کتنا عرصہ لاہور جا ہی نہ سکا۔ ...کام کے سمجھنے اور کرنے کا وقت تھا۔ اتنے میں... انتقال کی خبر آئی۔

...میں نے ضویا کو دیکھا۔ وہ اس سے زیادہ برے... نظر آرہی تھی جس میں، میں اسے چھوڑ کر آیا... کا ڈھانچہ، زرد رنگت، کھنڈر آنکھیں...... ...کیا۔

"...یں میں نے اسے یہاں چھوڑ کر غلطی تو نہیں... ی؟"

"احد! اب جاؤ تو بہو کو ساتھ لے جانا۔" ابو نے... اندازے کی تصدیق کی۔

"...تمہاری بھابھی اس کا جینا حرام کیے رکھتی ہے۔ ...محلے اور برادری میں اس بدنصیب کے قصے... ر رکھے ہیں۔ اس کی عزت تمہارے دم سے... تم ہی اس کی چادر ہو۔ اس کا تحفظ کرو، اسے مان... نے تمہاری ماں کی بہت خدمت کی۔ مرتے... ان کے لبوں پہ اس کے لیے دعائیں ہی دعائیں... اب شاید ان دعاؤں کے پورا ہونے کا وقت...

"ابو! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔" میں نے ان کے ہاتھ کی پشت پہ بوسہ دیا۔ اسی کے بعد مجھے ان کا سارا دم خم نکلا محسوس ہورہا تھا۔

"ابھی نہیں، مجھے احسن کا ظرف کچھ اور آزمانا ہے۔" وہ درد سے مسکرائے اور میرے اصرار کے باوجود نہ آئے۔

ضویا نے اسلام آباد آکر میرے مکان کو گھر بنایا۔ وہ خود بھی دیکھتے ہی دیکھتے دنوں میں بدل گئی۔ ابو ٹھیک کہتے تھے۔ اسے تحفظ، مان اور محبت کی ضرورت تھی۔ وہ نکھر آگئی اور میری زندگی کو نکھار گئی۔

"مرتضیٰ کا ایک اور دانت نکل آیا۔"

واک کرتے ہوئے اس نے بے حد جوش سے مجھے اطلاع دی۔ میں چلتے چلتے رک کر پنجوں کے بل بیٹھ کر پرام میں سکون سے لیٹے مرتضیٰ کے نئے نویلے دانت کو چیک کرنے لگا۔

"کیا کررہے ہیں آپ! راستے میں دیکھنا ضروری ہے کیا؟ گھر چل کے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔"

"تم بھی تو گھر جاکے بتاسکتی تھیں۔"

"مجھے ابھی ابھی یاد آیا تھا۔ آپ کو پتا تو ہے میں اکثر ضروری باتیں کہنا ہی بھول جاتی ہوں۔ ارے ہاں...... یاد آیا۔ آپ آفس میں تھے تو ابو کا فون آیا تھا۔ صرف اتنا کہا کہ احد سے کہنا، احسن کو آزمالیا ہے...... کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" اس نے مجھ سے خاصی تشویش میں پوچھا۔

"احسن بھائی کو آزمانے کا کیا معمہ ہے؟"

"یہی کہ اب میری باری ہے اور ضویا...... ہمیں اس آزمائش میں پورا اترنا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ابو اب ہمیشہ کے لیے ہمارے پاس آنے والے ہیں۔"

"واقعی۔" وہ بے تحاشا خوش ہوگئی۔

"چلو اب واپس چلتے ہیں۔"

"لیکن ابھی تو ایک راؤنڈ رہتا ہے۔"

"ہاں! لیکن مجھے سردی لگ رہی ہے۔" میں نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

"بہت سردی...... چلو اپنے گھر چلیں۔"

فوراً" بھانپ جاتے کہ ہو نہ ہو موش کو بھڑکانے میں اس کا ہاتھ ہے۔ سو وہ بھابھی کے نکلتے ہی بمع "مالِ مسروقہ" کے وہاں چلا آیا۔ جہاں زائر اور شیر علی کے ایف سی کے لنچ باکسز میں منہ دیے بیٹھے تھے۔

احد کے منہ میں رات کے باسی آلو مٹر کے سالن کا ذائقہ بدمزگی بھرنے لگا۔ زائر کی دعوت پہ وہ شریک ہونے کو تھا کہ شیر علی کی بات نے اس کے بڑھتے ہاتھ روک دیے۔

"مجھے پتا ہوتا کہ تم روز دوپہر کے کھانے پہ ادھر ہی ہوتے ہو تو ایک اور لنچ بکس پیک کروالاتا۔ میں تو وہاں بھی کھا سکتا تھا لیکن سوچا زائر کے لیے بھی لیتا چلوں۔ بے چارہ نان چھولے اور دال چاول کھا کھا کر تنگ آگیا ہوگا۔"

یہ جاننے کے بعد لنچ شیر علی کی طرف سے ہے۔ اس نے محض زائر کی پیشکش کو کافی نہ سمجھا۔ ظاہر ہے کہ دوست تو وہ صرف اسی کا تھا' حالانکہ احد کی عادت تھی جلد بے تکلف ہوجانے اور دوست بنالینے کی مگر نجانے کیوں شیر علی میں ایسی کیا بات تھی جو اسے پیش قدمی سے روک دیتی تھی۔ اس کے اندر ایک خاص قسم کی ہوشیاری تھی جو زائر تو زائر۔۔۔ احد جیسے پکے لاہوری کے اندر بھی مفقود تھی۔ کبھی کبھی تو اس کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور "وسیع تجربہ" کی حامل گفتگو کے آگے انہیں اپنا آپ معمولی سا لگتا۔

"یہ سی ڈی پلیئر۔۔۔" وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔ "بڑا معمولی سا ہے' کہاں سے لیا۔ مال روڈ کے کسی سستے سے اسٹال سے قسطوں پہ لیا ہوگا۔ اب تو یہ عام ملتا ہے' زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین ہزار میں۔ میرے پاس اوریجنل جاپانی ڈی وی ڈی پلیئر ہے۔ آج سے دو سال پہلے سولہ ہزار کا آیا تھا لیکن تمہارے لیے یہ بھی ٹھیک ہے۔ کہتے ہیں دروازے اونچے نہ ہوں تو ہاتھی نہیں پالنا چاہیے۔" وہ عجیب انداز میں ہنسا۔ احد کو سخت برا لگا۔

"کیا مطلب اس بے تکے محاورے کا؟"

"او یار! تم تو خفا ہوگئے۔ میرا مطلب تھا' ڈی وی ڈی پلیئر ایک تو کم از کم بیس ہزار کا' اوپر سے ڈی وی ڈی سی ڈیز بھی ڈیڑھ سو سے کم کی نہیں آتیں۔ ... لوگوں" کو یہی سوٹ کرتا ہے۔" اس نے بڑے ... سے خود کو "عام لوگوں" کی صف سے الگ کیا۔

اگلے ہی ہفتے شیر علی جب سیالکوٹ گیا تو وا... دیگر سامان کے ساتھ یہ دونوں چیزیں بھی تھیں۔ ... سے پہلے وہ ٹیلی فون کنکشن کے لیے درخواست کر گیا تھا۔

چند ہی دنوں میں احد اور زائر کو اندازہ ہوگیا کہ ... کے "دوست" کون تھے۔ زیادہ تر فون لڑکیوں ... ہوتے' لاہور سے بھی اور کبھی کبھار سیالکوٹ ... بھی۔ ایک دن زائر یونیورسٹی سے آیا تو احد ... پریشان بیٹھا تھا۔

"تمہاری شکل پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں؟"

"یار! یہ شیرو۔۔۔ میرا مطلب ہے شیر علی' کس ... انسان ہے۔ میں تو اسے صرف شیخی باز' گھمنڈی ... لڑکیوں سے واقفیت بڑھانے کا شوقین ہی سمجھا ... تھا۔ اس کی حرکتیں دیکھ کر خیال آتا تھا کہ نیا نیا ... آنے کے شوق میں اسے ہوا لگی ہے لیکن یہ تو ... چلا کہ یہ تو بڑا پکا ہے۔ یہ سی ڈیز دیکھیں تم نے ... سیالکوٹ سے اپنے ساتھ لے کر آیا ہے؟"

"نہیں۔ اور مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اس ڈھیر ... تلاشی لیتا پھروں۔ جس سے مجھے کوئی دلچسپی ہی نہیں ... اپنی پسند کی مووی لگا کر دیکھ سکتے ہو۔ شیر علی کو قطعاً ... کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"مگر مجھے تو سخت اعتراض ہوگا' اس لیے کہ ا... ڈھیر میں قابل اعتراض مواد تسلی بخش تعداد میں مو... ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔ جواباً" احد نے نمو... کے طور پر اسے چند ایسی سی ڈیز کے محض کور دکھا... جن پہ نظر ڈالتے ہی زائر توبہ توبہ کرنے لگا۔

"تم اس سے بات کرو۔ میرا تو پوچھنے کا کوئی ... نہیں مگر تمہارا بہرحال ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے' تمہارا ... کمرہ۔۔۔ تم اس سے بازپرس کرسکتے ہو۔"

... دفع کرو۔" صلح جو زائر بحث مباحثے سے بڑا گھبراتا ...

"کیسے دفع کروں اور تم خود سوچو' اسی کمرے میں ... نماز بھی پڑھ لیا کرتے ہو۔ کیا تمہیں گوارا ہوگا ... اس کمرے میں ایسی چیزیں موجود ہوں۔" اس نے ... کچھ کچھ قائل کرلیا۔ اس کا بھی خاص فائدہ نہ ... الٹا شیر علی بگڑ گیا۔

"وہ تمہارا دوست ہے' اس لیے لحاظ کرلیتا ہوں' ... مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ کوئی میری چیزوں کو ہاتھ ... لگائے۔"

"وہ کوئی ایسی متبرک چیزیں نہیں جن کو ہاتھ لگانے ... پہ تم سیخ پا ہو رہے ہو۔" زائر کو اس کے ایک تو ... اوپر سے سینہ زوری والے رویے پر سخت تاؤ ... آگیا۔

"مگر میری غیر موجودگی میں اور بغیر میری اجازت ... اس نے میری چیزوں کی تلاشی آخر کس مقصد کے ... تحت لی؟"

وہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس ... موضوع کو گرم اس لیے کررہا تھا کہ اصل مسئلے سے ... اس کی توجہ ہٹ جائے اور یہی ہوا۔ جب شیر علی نے ... صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اسے اس کے لائف ... اسٹائل پہ اعتراض ہے تو وہ اپنا الگ انتظام کرلیتا ہے تو ... زائر کو مجبوراً" کہنا پڑا۔

"یار! میں نے تو صرف ایک بات کی تھی۔ تم تو ... ناراض ہی ہوگئے۔"

"نہیں' ناراض نہیں ہوں مگر ذرا ذرا سی بات پہ ... نہیں اس لیے صفائی نہیں پیش کرسکتا کہ میں ... تمہارے فلیٹ پہ رہتا ہوں۔ الگ فلیٹ' میں آسانی ... سے افورڈ کرسکتا ہوں۔ خالو کو کہہ دوں گا' آپ کے ... بیٹے سے میری بنی نہیں۔"

بڑی مشکل سے زائر نے اسے اس ارادے سے باز ... رکھا۔

احد کو پتہ چلا تو وہ بھی بگڑ گیا۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی منت کرنے کی۔ جاتا ہے تو جائے' خس کم جہاں پاک۔"

"یار! سمجھا کرو۔ خاندان برادری میں یہ ذرا ذرا سی تلخیاں بھی بڑی بڑی رنجشوں میں بدل جایا کرتی ہیں۔ شیر علی تو میرے چچا کا ہونے والا داماد بھی ہے۔ اگرچہ رشتے داری دور کی ہے۔ یعنی چچی کی بہن کا بیٹا مگر میرے رشتے کی بہن کا منگیتر ہونے کے ناتے وہ میرا ہونے والا بہنوئی ہے اور اس رشتے سے میں اس کا لحاظ کرنے پہ مجبور ہوں۔"

"یہ تم نے پہلے نہیں بتایا۔ اگر وہ تمہاری بہن کا منگیتر ہے تو تمہیں اس سے زیادہ سختی برتنی چاہیے۔ درجنوں تو اس کی گرل فرینڈز ہیں۔ دیدہ دلیری دیکھو' تمہارے گھر میں بیٹھ کر تمہارے سامنے دھڑلے سے ان سے دوستیاں نبھاتا ہے۔"

"یار! چھوڑو اس ذکر کو۔ تم نہیں سمجھو گے' میں تو نورین کا چچازاد بھائی ہوں۔ اس کے سگے بھائی بھی اس کی روش اور چال چلن سے واقف ہوں گے مگر ہمارے ہاں اس چیز کو قابل توجہ نہیں گردانا جاتا۔ صرف حسب نسب ذات برادری کا ایک ہونا اور صاحب جائیداد ہونا دیکھا جاتا ہے۔ بچپن کی منگنی اور بچھوڑنے کا چکر۔۔۔ کوئی ایک مصیبت ہے۔"

اس کے بعد احد نے شیر علی کی مصروفیات اور دلچسپیوں پہ الجھنا چھوڑ دیا۔ البتہ وہ خود کو حیران ہونے سے باز نہ رکھ سکا۔ اپنی بول چال' رہن سہن' اسٹائل' ہر لحاظ سے خود کو پینڈو ثابت کرتے شیر علی کی شخصیت میں آخر ایسی کیا بات تھی جو لڑکیاں اس کے جال میں پھنس جایا کرتی تھیں۔ شاید یہ کرشمہ اس کے والٹ میں ہر وقت موجود ہزار ہزار کے کئی نوٹ دکھایا کرتے تھے یا نت نئے ماڈل کے مہنگے موبائل فون' سن گلاسز اور رسٹ واچز۔ وہ قیمتی لباس خریدتا تھا' یہ الگ بات کہ اس کا ذوق اور پسند پینڈوپن کی جھلک دکھاتے تھے' لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ خود فضول رنگوں کے لباس پہنتا تھا مگر انہیں تو مہنگے بوتیکس کے ڈریس گفٹ کرسکتا تھا۔ "کھاتا" بے شک اجڈ انداز میں تھا مگر "کھلاتا" تو اونچے ریسٹورنٹس میں تھا۔

ڈالا کہ اگر وہ کٹنگ کروالے تو زیادہ اچھی لگے گی۔ اس نے ضویا کو پلکنگ کرانے کی بھی پیشکش کی۔ وہ سہم کر بھیا کو دیکھنے لگی جو اچانک اٹھے اور چند ہفتے کی دلہن کو سارے گھر کے سامنے تھپڑ مار دیا۔ الزام یہ عائد کیا کہ وہ ان کی سیدھی سادی معصوم بہن کو اپنے جیسے لچھن سکھا رہی ہے، فیشن کی ترغیب دے رہی ہے۔ وہ دن اور آج کا دن، روحانہ بھابھی نے کبھی بلاضرورت ضویا کو مخاطب تک نہ کیا۔ اس درجہ محتاط ہو گئی تھیں وہ مگر ضویا کا تنہائی کا شکار دل اور بھی بجھ گیا۔

بھائیوں میں رہتے رہتے ہمیشہ اسے بہن کی کمی محسوس ہوتی رہی۔ اس کے گھرانے میں ماؤں کو بیٹیوں سے قریب ہونے کی عادت نہ تھی۔

بھائیوں کی شادی کا فطری ارمان تو تھا ہی، یہ تمنا بھی تھی کہ بھابھی کے آنے سے گھر میں بہن کی کمی پوری ہو جائے گی۔ وہ دل ہی دل میں کتنے عہد کر چکی تھی کہ آنے والی بھابھی کیسے بھی مزاج کی ہوئی، وہ اپنے طور پہ دوستی میں کوئی کسر نہ چھوڑے گی۔ آخر کار وہ بھی اسے نند کے بجائے بہن یا سہیلی کے طور پہ قبول کرلے گی۔

روحانہ فطرتاً" اچھی اور مزاجاً" گھل مل کے رہنے والی تھی مگر بھیا کی مداخلت نے دونوں کو نند بھاوج کے روایتی منصب پہ کھڑا کر دیا۔ وہ بیوی کو اس کے درجے پہ رکھنے کے قائل تھے، وہ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ نورین پہ پہلے سے بڑھ کر انحصار کرنے لگی۔ نورین کے اور اس کے گھریلو ماحول میں زیادہ فرق نہ تھا، بس فطرت اور مزاج کا فرق تھا۔ نورین اس کی طرح سمجھوتہ کرنے والی اور من مارنے والی لڑکی نہ تھی۔ وہ سیدھی انگلی سے گھی نہ نکلنے پہ انگلی ٹیڑھی کرلینے پہ یقین رکھتی تھی۔ کالج کے فن فیئر میں شرکت کرنے کی اجازت اسے بھی ضویا کی طرح مشکل سے ملتی تھی مگر وہ ضویا کی طرح بھائیوں کی تنقید کے خوف سے سادہ لباس اور ڈھلے چہرے کے ساتھ مینا بازار نہیں اٹھ آتی تھی۔

خوبصورت لباس کو وہ پیروں تک چھوتی بڑی سی چادر میں چھپا لیتی۔ جیولری اور میک اپ اس کے بیگ میں موجود ہوتا۔ ضویا کی طرح اس پہ بھی اسکول کے زمانے سے ہی کلاس فیلوز کو فون نمبر دینے پہ پابندی تھی۔ ضویا تو نمبر مانگنے والی دوستوں کو اس پابندی کے بارے میں بتا کر شرمندہ سے انداز میں معذرت کرلیتی مگر نورین کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ نمبر بھی بتاتی اور ایک مخصوص وقت بھی جس میں گھر پہ اس کے بھائیوں اور ابو میں سے کوئی موجود نہ ہوتا۔

شیر علی سے فون پہ گفتگو کا آغاز کرنے میں بھی بچپن کی یہی پالیسی کام آئی۔ شیر علی اس کا خالہ زاد اور بچپن کا منگیتر تھا جو پچھلے تین سالوں سے اب اس سے ذاتی راہ و رسم بھی رکھے ہوئے تھا۔ اس تعلق کی ابتدا اسکول کے آخری دنوں میں ہوئی تھی۔ شروع میں ضویا کو بڑا خوف آتا۔ حالانکہ خوف زدہ تو نورین کو ہونا چاہیے تھا مگر وہ بے فکر تھی۔ شاید اس لیے کہ شیر علی کوئی غیر نہیں، اس کا منگیتر تھا اور وٹے سٹے کے نتیجے میں ہونے والی اس بچپن کی منگنی کے ٹوٹنے کا بھی خطرہ نہ تھا۔ بھائیوں کو علم ہونے پر زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا، دو چار تھپڑ پڑتے، چوٹی اکھاڑی جاتی...... تو اتنی مار تو وہ دونوں بہنیں بچپن سے کھاتی چلی آ رہی تھیں۔ بالآخر تو اسے اپنے شیرو کی دلہن ہی بننا تھا۔ کالج میں آنے کے بعد سرراہ اتفاقیہ ہونے والی گھڑی دو گھڑی کی ملاقاتیں اور فون پہ چھپ چھپ کے ہونے والی گفتگو سے وہ دونوں اور آگے بڑھے اور اس کی ترغیب دلانے میں جہاں بڑا ہاتھ شیر علی کے اکسا دینے والے مطالبوں کا تھا، وہیں نورین کی اپنی بے خوفی اور اندھی محبت کا بھی تھا۔

ضویا اس میں کسی طرح شریک نہ ہونے کے باوجود اس دن خوف سے لرزتی رہتی جب وہ کالج گیٹ سے ہی شیر علی کے ساتھ رفوچکر ہو جاتی۔ بی اے کرنے کے کافی عرصے بعد اچانک ہی شیر علی کے دل میں ایم اے کرنے کا خیال آیا اور وہ لاہور سدھارا تو ضویا نے چین کا سانس لیا۔ اب ہر ہفتے ہونے والی ملاقات کی رازداری کے بوجھ سے وہ آزاد تھی۔

گرمیوں کی تعطیلات تھیں، کالج بند تھے، شیر علی گھر آیا ہوا تھا مگر ملاقات کی سبیل نہ نکل رہی تھی۔ ایسے میں جب کل نورین کا فون آیا کہ وہ شیر علی سے ملی تھی اور وہ اس کے لیے لاہور سے بے شمار تحائف بھی لے کر آیا ہے تو وہ تجسس سے بے قرار ہو گئی کہ ایسا کیونکر ہوا ہو گا۔ پوچھ اس لیے نہ سکی کہ نزدیک ہی امی بیٹھی سرسوں کے ساگ کی ڈنڈیاں توڑتے ہوئے اس پہ گہری نظر اور کان رکھے ہوئے تھیں۔

یہ ان کی برسوں پرانی عادت تھی کہ جہاں اس کا کوئی فون آیا، وہ قریب ہی کوئی نہ کوئی کام لے کر بظاہر مصروف مگر حقیقتاً" اس کی چوکسی کرنے لگتیں۔ اب کچھ عرصے سے یہ بھی ان کا معمول تھا کہ وہ اگر اکیلی بھی بیٹھی ہوتی تو وہ اس کا چہرہ کھوجنے لگتیں۔ اسے امی کے اس انداز سے بڑی الجھن ہوتی۔ اب بھی وہ ہوں ہاں کرکے جلد از جلد فون رکھنا چاہتی تھی کہ خود پہ مسلسل جمی ان کی نظریں اسے کنفیوز کر رہی تھیں مگر نورین کی اس بات نے اسے متجسس کر دیا۔ نورین نے اس سے کہا کہ وہ اسے شیرو کے دیے تحائف دکھانا چاہتی ہے۔ ساتھ لانے میں مشکل ہے اس لیے ضویا خود آ کر دیکھ لے۔

ضویا کو تو صرف لاہور سے آئے تحفے دیکھنے کا شوق تھا۔ شیر علی اسے جتنا بھی برا لگتا ہو مگر ایک بات ماننا پڑے گی کہ وہ نورین کو تحفے بہت قیمتی اور خوبصورت دیتا تھا۔ امی سے اس نے یہ بہانا بنایا کہ چھٹیوں کے فوراً" بعد جو امتحان ہونے والے ہیں، ان کے بڑے اچھے نوٹس نورین کو اس کی ایک کالج فرینڈ دے کر گئی ہے۔ کل تک نوٹس واپس بھجوانے ہیں۔ اگر وہ ایک دو گھنٹوں کے لیے چلی جائے گی تو چند ضروری نوٹس اتار لے گی۔ بڑی مشکلوں سے امی اس جھانسے میں آئیں جو اس نے نورین سے ہی سیکھا تھا۔ پتا نہیں اس کی امی اتنی آسانی سے اس کے بہانے کیسے ہضم کرلیتی تھیں۔

احتشام بھی سو باتیں سنانے کے بعد اسے اگلی گلی میں واقع گھر تک چھوڑنے پہ رضامند ہوا۔ احتشام ضویا سے ڈیڑھ سال ہی بڑا تھا مگر وہ اس کے بھی مکمل رعب میں تھی بلکہ وہ تو خود سے چار سال چھوٹے حسام سے بھی دب جایا کرتی تھی جو ابھی سے بڑے بھائیوں کی دیکھا دیکھی اس کی ہر حرکت پہ بلا تکلف اعتراض جڑ دیا کرتا تھا۔ اسے نورین پہ رشک آتا جو بے جگری سے جی رہی تھی۔

ضویا کے بھائی تو صرف گھورنے، ڈپٹنے اور دھمکیاں دینے پہ اکتفا کرتے، بچپن میں شاید کبھی بڑے بھیا نے ایک آدھ بار تھپڑ مارا ہو۔ جبکہ اس کے برعکس نورین بلاناغہ بھائیوں سے کسی نہ کسی بات پر پٹتی اور برابر زبان چلاتی۔

تواتر سے بھائیوں کو بددعائیں اور کوسنے دیتی۔ وہ ضویا کو کبھی کبھی سخت بری اور جاہل لگا کرتی۔ یہ ادا شاید اس نے اپنی ماں سے سیکھی ہو جسے اس کے شوہر نے ہمیشہ جوتی کی نوک پہ رکھا مگر اس کی جوتی کی زد میں رہنے کے باوجود نورین کی امی نے اپنا دم خم کم نہ ہونے دیا اور زبان کے زور پہ شوہر کے ساتھ مقابلہ بازی کرتی رہی۔ سارے خاندان میں ان کے معرکے مشہور تھے جبکہ ضویا نے دب جانے اور دبک جانے کی عادت اپنی امی سے لی تھی۔ یہ عادت اتنی پختہ ہو گئی تھی کہ اب وہ نورین تک سے دبنے لگی تھی۔ اس کی چند ناپسندیدہ باتوں پہ کھل کر ٹوکنے کے بجائے اس کی ناراضی کے خدشے سے دبک جایا کرتی تھی۔

"مگر تم اس سے ملیں کیسے؟" کمرے میں تنہائی ملتے ہی ضویا نے سرگوشی کی۔

"بھابھی زندہ باد۔" وہ مکاری سے مسکرائی۔

"یعنی تمہاری بھابھی تمہیں اس سے ملانے لے گئیں۔" وہ پل بھر میں سمجھ گئی۔ آخر نورین کی بھابھی شیر علی کی سگی بہن تھی مگر پھر بھی ایسی حرکت کرنے کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے۔ اس کی اپنی بھابھی تو ایک بار کی تنبیہہ کے بعد اب ضویا سے بدکنے لگی تھی۔

"ہاں اور یار! یہ بھابھی بھی بڑی چیز ہے۔ اپنے ہی بھائی سے پورے دو ہزار کا سوٹ ہتھیایا ہے اس نے...... صرف اور صرف مجھ سے ملوانے کی خاطر اور